فسادِ قلب

اور

اس کا علاج

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاجُ القرآن پبلیکیشنز
365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 3-5169111
یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 7237695
www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	فسادِ قلب اور اس کا علاج
تصنیف	:	پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری
تحقیق و تخریج	:	عبدالجبار قمر
کمپوزنگ	:	محمد یامین
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّت ؒ ریسرچ اِنسٹیٹیوٹ www.Research.com.pk
مطبع	:	منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعت اوّل تا ششم	:	8400
اِشاعت ہفتم	:	اپریل 2003ء (1,000)
تعداد	:	1,100
قیمت	:	-/90 روپے

❀ ❀ ❀

نوٹ: ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو / ویڈیو کیسٹس اور CDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لئے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لئے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلیکیشنز)

sales@minhaj.biz

بسم الله الرحمن الرحيم

مَوْلَایَ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَ الثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّ مِنْ عَجَمِ

﴿صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی آلِهٖ وَ أَصْحَابِهٖ وَ بَارَکَ وَسَلَّمَ﴾

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

www.MinhajBooks.com

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔ا) ۴-۱/ ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل و ایم ۴/ ۹۷۰-۳۷، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔ا/ اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چٹھی نمبر س ت/ اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱/ ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
۹	پس منظر	۱
۱۲	دور حاضر کا المیہ	۲
۱۲	آداب علاج	۳
۱۳	ایک حقیر کوشش	۴
۱۵	اللہ کے لئے سفر	۵
۱۶	اللہ کے لئے جاگنا	۶
	باب اول:	
۱۹	فساد قلب کی مختلف صورتیں اور علاج کا قرآنی منہاج	۷
۲۱	عصر حاضر کا فساد قلب	۸
۲۱	فساد قلب کی دو صورتیں	۹
۲۱	علاج کا قرآنی منہاج	۱۰
۲۳	انسانی شخصیت میں قلب کی اہمیت	۱۱
	باب دوم:	
۲۷	فساد قلب کی پہلی صورت۔ اللہ تعالی سے تعلق بندگی کا انقطاع اور اس کے اسباب	۱۲
۲۹	تعلق بندگی کٹ جانے کے اسباب	۱۳
۲۹	نفسانیت	۱۴
۲۹	مادیت	۱۵
۴۰	تعلق بندگی کی کمزوری کے تین مرحلے	۱۶
۴۰	پہلا مرحلہ	۱۷
۴۰	دوسرا مرحلہ	۱۸

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱۹	تیسرا مرحلہ	۴۱
	باب سوم:	
۲۰	فساد قلب کی پہلی صورت کا علاج ۔۔۔☆ صحبت صلحاء ☆ ذکر الٰہی	۴۵
۲۱	صحبت صلحاء	۴۷
۲۲	قرآنی منہاج اور صحبت صلحاء	۴۸
۲۳	صحبت بنائے صحابیت بنی	۴۹
۲۴	صحابیت ۔۔شرف و امتیاز کا نقطہ کمال	۵۰
۲۵	پانی سے پہلے پیاس کی ضرورت	۵۲
۲۶	سلسلئہ شب بیداری کی غرض و غایت	۵۳
۲۷	تزکیہ کیا ہے؟	۵۳
۲۸	تزکیہ سے قبل تلاوت آیات کی حکمت	۵۵
۲۹	صحبتوں کا احیاء۔۔۔۔۔۔وقت کی اولین ضرورت	۵٦
۳۰	صحبتیں۔۔۔۔۔۔۔فیضان نبوت کے سلسلے	۵۸
۳۱	ہم کس قدر ناشکرے میں	٦۰
۳۲	ذکر الٰہی	٦۰
۳۳	کیفیات حضور و سرور	٦۳
۳۴	اللہ والوں کی پہچان	٦٦
۳۵	ایک ایمان افروز واقعہ	٦۷
۳٦	کیفیات ذکر سے محرومی ۔۔۔حقیقت حال	٦۷
۳۷	کیفیات و مشاہدات راہ سلوک کی نورانی گرہیں	٦۸
۳۸	یہ جلوہ کہیں حسین تر ہے	٦۹

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۳۹	ایک خوبصورت تمثیل	۷۰
۴۰	مولانا رومؒ کا بیان کردہ واقعہ	۷۰
	باب چہارم:	
۴۱	فساد قلب کی دوسری صورت۔ حضورؐ سے تعلق غلامی کا انقطاع اور اس کے اسباب	۷۵
۴۲	حضورؐ سے تعلق غلامی کے انقطاع کے اسباب	۷۸
۴۳	فتنہ اولی۔۔۔ عقل پرستی	۸۰
۴۴	فکر انسانی کی خطرناک لغزش	۸۰
۴۵	فتنہ ثانیہ۔۔۔ خود ساختہ تصور رسالت پر اصرار	۸۳
۴۶	فتنہ کی حقیقت	۸۳
۴۷	حقیقت اور تھی کچھ	۸۳
۴۸	حضور اکرمؐ کی ذاتی فضیلت	۸۵
۴۹	حضورؐ کی منصبی فضیلت	۸۸
۵۰	قرآن اور رسالت مآب ﷺ۔۔۔۔۔۔ اصولی بحث	۹۱
۵۱	تطبیق کیسے ہو؟	۹۴
۵۲	جزئیت پرستی کا فتنہ	۹۶
۵۳	ایمان کی حلاوت عشق رسول ﷺ سے مشروط ہے	۹۸
۵۴	مبلغین کی خطرناک لغزش	۹۹
۵۵	محبت کے بغیر عمل سے پیدا ہونے والا تقوی ثمر بے ذائقہ ہے	۱۰۱
۵۶	آغاز فتنہ	۱۰۱
۵۷	بمصطفی برسان خویش	۱۰۳

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	باب پنجم:	
۵۸	فساد قلب کی دوسری صورت کا علاج۔ طریق زہد یا طریق عشق	۱۰۷
۵۹	طریق زہد	۱۰۹
۶۰	طریق زہد اور طریق عشق کا فرق	۱۰۹
۶۱	اقبال کے نزدیک طریق عشق کی رسائی	۱۱۱
۶۲	مولانا روم کا واقعہ	۱۱۲
۶۳	راہ انابت اور راہ اجابت میں فرق	۱۱۴
۶۴	توجہ طلب نکتہ	۱۱۶
۶۵	طریق زہد اور طریق عشق کو سمجھنے کے لئے ایک عقلی مثال	۱۱۶
۶۶	صحابہ کرامؓ کا طرز عمل	۱۱۸
۶۷	صحابہ کرامؓ کے اوصاف کی قرآنی ترتیب	۱۱۹
۶۸	صحابہ کرام اور تابعین کے معمولات اور طریق عشق	۱۲۳
۶۹	ہجر رسولؐ میں خاتون کے اشعار پر حضرت فاروق اعظمؓ کا بیمار ہونا	۱۲۴
۷۰	حضرت بلالؓ اور شہر محبوب چھوڑنے کا قصد	۱۲۵
۷۱	حضرت عثمانؓ کا عمل	۱۲۶
۷۲	سیدنا صدیق اکبرؓ اور محبت رسولؐ	۱۲۶
۷۳	اسوہ صدیقیؓ اور طریق عشق	۱۲۷
۷۴	حضرت علیؓ اور ادب رسالتمآبؐ	۱۲۷
۷۵	قصہ مختصر	۱۲۹

پس منظر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اخلاقی اقدار کے زوال، روحانی انحطاط، آداب حیات کے اضمحلال اور مختلف شعبہ ہائے زندگی میں اسلامی فکر ونظر میں فقدان کے باعث طبعیتوں پر خواہشات اور مادیت کی یلغار کے باعث ہمارے قلب وروح بیمار ہوگئے ہیں۔ آج واقعتاً جسمانی بیماروں کی تعداد اتنی نہیں جتنی روحانی مریضوں کی ہے۔ روحانی بیماریوں کا یہ عالم ہے کہ خال خال ہی کوئی انسان ان سے محفوظ ہوگا۔ پھر اس پر مزید یہ کہ ہر شخص ہزار ہا روحانی بیماریوں کا شکار ہے اور ہر ہر روحانی روگ خونی سرطان کی طرح انسان کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ چنانچہ جب صورت حال یہ ہو کہ روحانی بیماریاں خوفناک حد تک وبائی شکل اختیار کر کے پورے کے پورے جسد ملت کو مکمل طور پر اپنی لپیٹ میں لے چکی ہوں تو بیماروں کی کثرت اور بیماریوں کی سنگینی کے تناسب سے ان کے ازالے کی کوششیں بھی ہمہ جہت و ہمہ گیر ہونی چاہئیں اور ان کی طوفانی یلغار کا مقابلہ بھی مستقل بنیادوں پر مہماتی انداز میں کیا جانا چاہیے، لیکن افسوس کا مقام ہے کہ جسمانی بیماریوں کے ازالہ وعلاج کے لیے جتنے ہسپتال اور شفاخانے قائم ہیں اور قائم کیے جا رہے ہیں اور ان کے ازالے کے لیے ہر سطح پر جو منصوبہ بندیاں ہو رہی ہیں ان کے مقابلے میں روحانی بیماریوں کے علاج کے لیے شفاخانے اور مراکز نہ ہونے کے برابر ہیں اور اس سمت میں کسی جانب سے کوئی مثبت عملی قدم بھی نہیں اٹھایا جا رہا۔ اس پر مزید یہ کہ جن مراکز سے قلب وروح کی ان بیماریوں کا علاج میسر آتا تھا وہیں سے (الا ماشاء اللہ) روحانی بیماریوں کے جراثیم جسد ملت میں پھیل رہے ہیں۔

دورِ حاضر کا المیہ

آج کے مصروف ترین مادی دور میں اولاً تو کسی کو فرصت ہی نہیں کہ ان بیماریوں کی طرف توجہ کرے اور ان کی ہلاکت آفرینیوں کو محسوس کر سکے۔ ثانیاً اگر کوئی اس جانب متوجہ ہو کر ان سے نجات و چھٹکارا چاہتا ہے تو اس کا المیہ یہ ہے کہ قحط الرجال کے اس دور میں اسے کوئی معالج میسر نہیں آتا، کوئی مسیحا نہیں ملتا جو اسے اس روگ سے نجات دلا دے۔ ثالثاً جن خوش نصیبوں کے اندر قلب و روح کی حقیقی رونقوں کے لٹ جانے کا احساس پیدا ہو بھی جاتا ہے تو وہ آمادۂ علاج ہونے کے باوجود تساہل اور عدم احتیاط کے باعث علاج سے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھا پاتے۔

آدابِ علاج

علاج روحانی ہو یا جسمانی اس کے اپنے کچھ آداب اور تقاضے ہوتے ہیں۔ علاج اگر معالج کی ہدایت کے مطابق اور اس کی زیرنگرانی کیا جائے، نسخہ باقاعدہ اور بلا ناغہ استعمال کیا جائے تبھی اس سے بہتری کی توقع کی جا سکتی ہے لیکن اگر مسیحا کے پاس جانے میں تساہل برتا جائے، معالج کی تجویز اور تاکید و ہدایت کے مطابق دوا نہ لی جائے، دوران علاج معالج کو دوا کے اثرات سے آگاہ نہ کیا جائے، غرضیکہ تساہل سے کام لیتے ہوئے علاج کو اپنی صوابدید اور مرضی پر ڈھال لیا جائے تو اندریں حالات علاج کی اثر انگیزی کی کیا ضمانت باقی رہ جاتی ہے بلکہ اس غیر ذمہ دار طرزِ عمل کا نتیجہ بیماری میں اضافے کی صورت میں نکلتا ہے۔ جس کی ذمہ داری کسی بھی صورت میں نہ معالج پر ڈالی جا سکتی ہے اور نہ دوا پر۔ حقیقت یہ ہے کہ جسمانی بیماریاں اتنی گہری، پیچیدہ اور مہلک نہیں ہوتیں جس قدر قلب و روح کی بیماریاں غارتگرِ ایمان و انسانیت ہوتی ہیں۔

ایک حقیر کوشش

یہ محض خالق کائنات کا فضل عظیم اور بے پایاں عنایت واحسان ہے کہ اس نے ہم جیسے ناکارہ بندوں کو اپنے بندوں کی روحانی بیماریوں کے علاج کے لیے یہ چھوٹا سا شفا خانہ (ادارہ منہاج القرآن) قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے جس کا مقصد وحید لوگوں کی اخلاقی، روحانی، تنظیمی تربیت اور اصلاح احوال قلب و روح کے لیے جدو جہد اور کاوش کرنا ہے۔ اس توفیق پر ہم نہایت عاجزی وانکساری کے ساتھ اللہ کے حضور سراپا تشکر وامتنان ہیں اور ہر قدم پر اس کی بارگاہ عالیہ سے توفیق اور فضل وعنایت کے طلب گار ہیں۔ منہاج القرآن ایک ایسا شفا خانہ ہے جہاں پر تربیتی نشستوں کا انعقاد کر کے روحانی بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ مگر علاج سے مکمل استفادہ کے لیے ضروری ہے کہ شرکت بلاناغہ، باقاعدہ اور مسلسل ہو کیونکہ ہمارے قلبی احوال اس حد تک بگڑ چکے ہیں، روحیں اس قدر بیمار ہو چکی ہیں اور باطن پر زنگ کی تہیں روز بروز اتنی دبیز ہوتی جارہی ہیں کہ محض کبھی کبھار حاضری سے یہ زنگ نہیں اتر سکتے، یہ سیاہیاں نہیں دھل سکتیں، یہ آلائشیں دور نہیں ہوسکتیں۔ اگر ہمیں آئینہ دل کو شفاف کرنا ہے، قلب و باطن کو نور ایمان سے منور کرنا اور احوال حیات کو روحانی انقلاب کی مہک سے معمور کرنا ہے تو مسلسل حاضری ناگزیر ہے۔ یاد رکھیئے! آپ کو کسی فرد واحد اور اسکی حاضری کو اپنے لیے اس طرح حرز جاں بنالینا چاہیے کہ کبھی میری موجودگی یا عدم موجودگی کے بارے میں دریافت کرنے کی نوبت نہ آنے پائے کیونکہ آپ کو علاج مجھ سے نہیں ملنا بلکہ وہاں سے ملنا ہے جہاں سے مجھے ملتا ہے۔ یعنی حضور ﷺ کی ذات گرامی ہی ہم سب کی معالج ہے اور اس علاج میں برکت دینے والی، ذات صرف اللہ رب العزت کی ہے۔ اسی کی ذات پر بھروسہ اور توکل کریں۔

آج کا دور جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا روحانی بیماریوں کا دور ہے اور ان بیماریوں کو قائم رکھنے کے لیے خارج سے شیطان اور داخلی طور پر نفس امارہ ہمہ وقت مصروف کاوش ہیں۔ ان

صحبتوں اور مجلسوں کا مقصدان اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی کوششوں کو ناکام بنانا ہے شیطان اور نفس امارہ کو اس قدر مضمحل اور لاغر و کمزور کر دینا ہے کہ وہ ہماری متاع ایمان اور دولت قلب و روح پر ہاتھ صاف کرنے کے قابل ہی نہ رہیں۔ چند روحانی تربیتی نشستوں کی مسلسل حاضری کے بعد جب آپ اپنی نفسی کیفیات کا جائزہ لیں گے تو آپ کا دل گواہی دے گا کہ روحانی امراض کی جڑیں کٹ رہی ہیں، قلبی فساد اور باطنی اضطراب وانتشار اور پراگندگی دور ہو رہی ہے، روح دھل رہی ہے، آئینہ قلب صاف ہو رہا ہے، باطن کی تاریکیاں چھٹ رہی ہیں، ضمیر کے بوجھ ہلکے ہو رہے ہیں، خیالات میں پاکیزگی، نظروں میں طہارت، فکر میں صلابت اور قول میں ثقاہت پیدا ہو رہی ہے، دل و دماغ بیدار ہو رہے ہیں۔ خودی و خودداری شخصیت کے اندر فعلیت کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ گویا پوری شخصیت میں ایک انقلاب آ رہا ہے۔

دل بیدار فاروقی ، دل بیدار کراری
مس آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری

لیکن یہ بھی یاد رکھیں کہ اگر اس علاج کو اپنی مرضی کے مطابق جاری رکھا، باقاعدگی کے ساتھ شرکت کی ہدایات پر عمل نہ کیا گیا تو ان روحانی مجلسوں کے حقیقی فوائد وثمرات حاصل نہ ہوسکیں گے۔ ان روحانی مجالس کے ذریعے محبت الٰہی کا جو پودا لگایا ہے اس کی نشو ونما فیضان نبوت اور اولیاء وصلحا امت کی توجہات سے ہوگی لیکن اسے سیراب ہم نے اپنے صدق واخلاص اور حاضری میں دوام اور استمرار سے کرنا ہوگا۔ اس پودے کو لگنے والے پھول محبت الٰہی کی مہک ہر طرف بکھیر دیں گے۔ خوشبوؤں سے بے بہرہ ساعتیں اس مہک سے زندہ ہو جائیں گی کیونکہ اس مہک کا مقصد وحید صرف اصلاح نفس اور تزکیہ باطن ہے اگر ہم صدق و اخلاص کے ساتھ اس مرکز مہر و وفا سے وابستگی و پیوستگی رکھیں گے تو حضور ﷺ کی رحمتوں کے سمندر اور اولیاء وصلحا امت کے فیضان سے سیراب ہونے والے اس شجر سایہ دار سے اپنا اپنا حصہ ضرور پاتے رہیں گے۔

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

انشاءاللہ یہاں سے ہر ایک کو بقدر ظرف اور بحصہ طلب، فیضان نبوت کی خیرات ملتی رہے گی اور ایسا کیوں نہ ہو کہ اس مرکز کی نسبت حضور ﷺ کے نعلین پاک سے ہے یہ کام صرف اور صرف رضائے الٰہی کے لیے شروع ہوا ہے اور میرا ایمان ہے کہ جس کام کی اساس خدا او رسول ﷺ کی محبت و اطاعت، رضائے الٰہی کی طلب ہو، جو شجر طیبہ فقط محبت الٰہی کے پھولوں کی مہک سے مشام جاں کو معطر کرنے کے لیے لگایا گیا ہو اس کا برگ و بار لانا بدیہی و لازمی ہے۔ اگر احساس و شعور اور قلبی کیفیات زندہ ہوں تو یہ روحانی مجالس آپ کے لیے بارگاہ خداوندی میں قرب و قبولیت کا سامان بہم پہنچاتی رہیں گی۔

اللہ کے لیے سفر

اللہ کے بندوں سے ملنے کی نیت سے سفر کرنا اور سفر کر کے اللہ کے ذکر میں شریک ہونا مقبول عبادتیں ہیں۔ اگر اخلاص نیت سے یہ سفر کیا جائے تو راستے ہی میں قبولیت سفر کی نوید سنادی جاتی ہے۔ آقائے دو جہاں ﷺ نے فرمایا:

’’جب کوئی بندہ کسی بندے سے ملنے کے لیے سفر کرتا ہے تو ایک فرشتہ اس کے راستے میں بٹھا دیا جاتا ہے جو اس سے سوال کرتا ہے کہ کہاں جا رہے ہو وہ جواب دیتا ہے فلاں شخص کے پاس جا رہا ہوں وہ فرشتہ سوال کرتا ہے کیوں جا رہے ہو وہ کہتا ہے فقط اللہ کے لیے جا رہا ہوں۔ فرشتہ اس سے کہتا ہے کہ اے اللہ کے بندے! جان لے کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں اور اس لیے آیا ہوں کہ تجھے یہ بشارت سنا دوں کہ جس طرح تو نے اللہ کے لیے اس کے بندے سے محبت کی ہے اسی طرح اللہ نے تجھے اپنا محبوب بنا لیا ہے۔‘‘

مذکورہ بالا حدیث نبوی سے اللہ کی وہ بے پایاں اور بے کراں کرم باریاں آشکار ہوتی ہیں جن کی بناء پر بندہ اللہ کی محبت کی اس منزل کو پالیتا ہے کہ خود اسے درجہ محبوبیت حاصل ہو جاتا ہے۔

اللہ کے لیے جاگنا

جب بندہ اللہ کے ذکر کی حلاوتوں سے سرورِ جاں حاصل کرنے کے لیے اپنی نیند قربان کرتا ہے تو گویا رسول اکرم ﷺ کی وہ سنت زندہ کرتا ہے جو نشان محبوبیت ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ اللہ کی محبت میں راتوں کو اٹھ اٹھ کر اتنی عبادت کیا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے پاؤں مبارک سوج جایا کرتے تھے۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں ارشاد فرمایا:

يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ○ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلاً ○ نِّصْفَهٗ اَوِانْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ○ اَوْزِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلاً○

(المزمل، ۷۳:۱۔۴)

اے کپڑوں میں لپٹنے والے (اے حبیب ﷺ) (آپ) رات کے تھوڑے سے حصے میں (نماز کے لیے) قیام فرمایا کیجیے۔ (نہ کہ رات بھر) آدھی رات یا اس سے بھی کم یا اس سے کچھ زیادہ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر (وقوف، اعراب تمام کیفیات، مفہوم و معنی کے ساتھ جس طرح آپ کا معمول ہے) پڑھتے رہیے○

قرآن حکیم نے اللہ کے بندوں کی صفات گنوائیں تو فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَاماً ○

(الفرقان، ۲۵:۶۴)

اور یہ وہ ہیں جو اپنے رب کے سامنے سجدہ اور قیام کی حالت میں راتیں بسر کرتے ہیں○

اور اگر وہ پہلوؤں کے بل سو بھی جائیں تو ان کے دل ذکر الٰہی میں مگن رہتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ رَبَّنَامَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلاً سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِo

(آل عمران،۳:۱۹۱)

یہ وہ لوگ ہیں جو (سراپا نیاز بن کر) کھڑے اور (سراپا ادب بن کر) بیٹھے اور (ہجر میں تڑپتے ہوئے) اپنی کروٹوں پر (بھی) اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق (میں کارفرما، اس کی عظمت اور حسن کے جلووں) میں فکر کرتے رہتے ہیں (پھر اس کی معرفت میں لذت آشنا ہوکر پکار اٹھتے ہیں) اے ہمارے ربّ! تونے یہ (سب کچھ) بے حکمت اور بے تدبیر نہیں بنایا تو (سب کوتاہیوں اور مجبوریوں سے) پاک ہے ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالےO

گویا اگر جاگا جائے تو اخلاصِ نیت کے ساتھ صرف اللہ کے لیے اور اگر سویا جائے تو بھی صرف حضور ﷺ کی سنت سمجھتے ہوئے۔ ایسا جاگنا مقدر کا جاگنا بن جاتا ہے اور ایسا سونا ''سونا'' بن جاتا ہے۔ یہ سونا قبر کی یاد بھی دلائے گا۔اس بیداری کا مقصد زندگی کے اصل مقصد کا شعور قلب و دماغ میں راسخ کر دینا ہے کہ مقصودِ حقیقی نہ اس جہاں کی راحتیں ہیں نہ دار آخرت میں باغات بہشت، مقصود صرف اور صرف آقا و مولا کی رضا ہے اور یہ رضا اسکی خاطر جاگے اور تکالیف اٹھائے بغیر نہیں ملتی۔

باب اول

فساد قلب کی مختلف صورتیں

اور

علاج کا قرآنی منہاج

عصر حاضر کا فساد قلب

اگر چہ فساد قلب اپنی مختلف توجیہات اور پہلوؤں (Diamension) کے اعتبار سے متنوع کیفیات کا حامل ہوتا ہے لیکن آج کے دور کا فساد قلب اور فتنہ قلب جو ہمارے دلوں کو شکار کر چکا ہے اور جس کے اندر ہم اتنے گھر چکے ہیں کہ ہمیں صفائے قلب کے متاع گراں بہا کے لٹ جانے کا احساس و شعور باقی نہیں رہا یہ ہے کہ:

''ہمارا تعلق بندگی اللہ سے اور تعلق غلامی حضور ﷺ سے صورتاً معلوم مگر معناً اور حقیقتاً معدوم ہو چکا ہے''۔

آج ہمارے اندر تمام خرابیاں، فتنے اور ہلاکتیں اسی سبب سے جنم لے رہی ہیں۔ آج ہمارے دل اس حقیقت کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ سے تعلق بندگی کٹ چکا ہے۔ آج ہم سے نہ حق بندگی ادا ہو رہا ہے اور نہ ہی اس کی ہمیں واقعتاً پرواہ رہی ہے۔ اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہمارا تعلق غلامی عملاً منقطع یا کمزور پڑ چکا ہے۔ ہم حضور ﷺ کی اطاعت و اتباع کا نام تو بہت لیتے ہیں، آپ ﷺ کے عشق و محبت کے دعوے تو بہت کرتے ہیں لیکن ہمیں ان نسبتوں کا خیال اور لحاظ نہیں رہا۔ قصہ مختصر دور حاضر کا فساد قلب انہیں دو المیوں پر مشتمل ہے۔

فساد قلب کی دو صورتیں

۱۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق بندگی کا کٹ جانا یا کمزور ہو جانا۔

۲۔ حضور ﷺ سے تعلق غلامی کا عملاً اور واقعتاً معدوم ہو جانا۔

علاج کا قرآنی منہاج

روحانی امراض کی تشخیص، اسباب کی معرفت اور طریق علاج کے باب میں اس مرکز کا بنیادی اصول اور طریقہ قرآنی منہاج ہے۔ قرآنی منہاج سے ہماری مراد مسیحائی کا وہ انداز جو قرآن نے طے کیا ہے، ہم اس سلوک، طریق اور منہاج کی بات کرتے ہیں جو قرآن نے ہم

پر آشکار کیا ہے۔ ہم ہر امر کی حقیقت جاننے کے لیے سند قرآن حکیم سے لیتے ہیں لیکن اس سند کے لینے میں غلطی کا امکان رد نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اس سند کی تصدیق اور غلطی کا امکان ختم کرنے کے لیے ہم حضورﷺ کی سنت سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور اس طریق تحقیق (Process Of Research) کو ہر پہلو سے مکمل کرنے کے بعد اپنے اس قائم شدہ نظریہ (HypoThesis) کی صحت کی مزید تائید و توثیق ہم حضور اکرمﷺ کی امت کے اولیاء، آئمہ کرام، اسلاف و اکابر اور صلحاء و اتقیاء سے حاصل کرتے ہیں تاکہ ناقص انسانی علم و عقل، فہم و ادراک اور طریق عمل کی کوئی کجی ہماری تحقیق میں نہ در آئے۔ قرآن و سنت کی مزید تائید اولیاء و صلحاء اور بزرگان دین کے عمل سے حاصل کرنا اس آیت کا امتثال ہے جس میں ہم اولاً اللہ سے درخواست گزار ہوتے ہیں:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَO ہمیں سیدھا راستہ دکھلاO

(الفاتحہ،۱:۵)

جب قرآن و سنت کی شکل میں صراط مستقیم ہمارے سامنے رکھ دی جاتی ہے تو ہم اس صراط مستقیم کو اللہ کے منشاء کے مطابق من کل الوجوہ سمجھنے کے لیے عرض پرداز ہوتے ہیں۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ O ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایاO

(الفاتحہ،۱:۶)

گویا تمام دینی و روحانی امور کے باب میں ہماری تحقیق اور عمل تین بنیادوں پر مشتمل ہے:

۱۔ سند قرآن حکیم سے۔

۲۔ تصدیق سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے

۳۔ تائید اولیاء اور بزرگان دین سے۔

المیہ یہ ہوا کہ لوگوں نے اس قرآنی منہاج کے ٹکڑے کر دیئے۔ کسی نے فقط قرآن کو لے لیا اور محض اپنی عقل کی قوتوں سے مراد قرآن تک رسائی کی کوشش میں ٹھوکریں کھائیں کسی نے محض حدیث کو لے لیا اور قرآن کو چھوڑ دیا۔ ہم تمام راستوں کو ایک جگہ جمع کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ قرآنی منہاج بحال ہو جائے اور دنیا منہاج القرآن پر گامزن ہو جائے۔

انسانی شخصیت میں قلب کی اہمیت

انسانی شخصیت کے اندر دل وہ حاکم قوت ہے جو پوری شخصیت پر ہمہ وقت اپنی مرضی مسلط کرتا ہے۔ اس امر میں چنداں شبہ نہیں کہ یہ عقل وفکر کی قوتوں پر بھی غالب ہے۔ شخصیت کے مختلف اطوار اور رویوں کے خطوط قلبی احوال ہی متعین کرتے ہیں۔ اعضائے حاسہ اپنی حقیقت کل کے اعتبار سے اسی وقت کامل کہلاتے ہیں جب دل ان کا تحقق (Realisation) کرتا ہے اور اگر دل ان صفات عالیہ سے محروم اور خالی ہو جائے تو اعضائے حاسہ کو بھی درجہ کاملیت حاصل نہیں ہوتا۔ اس حقیقت کی تصدیق قرآن حکیم نے اس انداز میں کی ہے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌo	اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑ گیا) ہے اور ان کے لیے سخت عذاب ہےO

(البقرہ،۲:۷)

گویا جب دلوں پر مہریں لگ گئیں ان کے اندر سے قوت سماعت، بصیرت سلب کر لی گئی تو حقیقتاً کل کے اعتبار سے کان بہرے ہو گئے اور آنکھوں پر تاریک پردے پڑ گئے اور اب ان کی یہ کیفیت ہو گئی کہ:

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَo (البقرہ۲:۱۸)	یہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں پس وہ (راہ راست کی طرف) نہیں لوٹیں گےO

جب وہ حقیقت کو دیکھ نہیں سکتے اسے سن نہیں سکتے تو ناممکن ہے کہ وہ اس کو بیان کرسکیں اور یہ انتہائی بدبختی کی کیفیت ہے۔ اسی حقیقت کی تائید ایک اور مقام پر قرآن حکیم نے یوں بیان کی ہے کہ:

فَاِنَّهَا لَا تَعمَی الاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِO (الحج، ۴۶:۲۲)	بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں (وہ) اندھے ہوتے ہیں (جو نہ حق کو سمجھتے ہیں نہ قبول کرتے ہیں)O

یعنی بظاہر جو آنکھیں بینا نظر آنے کے باوجود حق کو دیکھنے، اس کا شعور پانے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہیں اور ان پر نابینا کا گمان ہونے لگتا ہے وہ عضوی و مادی اعتبار سے نابینا نہیں لیکن جوہری اعتبار سے بالکل اندھی ہو چکی ہیں کیونکہ سینوں میں دھڑکنے والے دل اندھے ہو جاتے ہیں جس سے جوہری اعتبار سے آنکھوں پر بھی اندھا ہو جانے کا حکم لگایا جاتا ہے۔

جب دل کی اہمیت کا یہ عالم ہے کہ اگر بگڑ جائے تو جیتے جاگتے اعضاء کے افعال کو تحقیق (Perfect Realisation) سے محروم کر دیتا ہے، تو یقیناً اگر یہ درست ہو تو انسان کے تمام اعضاء کے احوال کو حسن فعل کے اعتبار سے ان کے نقطہ کمال تک پہنچا دینے کی قوت (Potential) بھی اس کے اندر موجود ہے۔ اس قرآنی حقیقت کی تصدیق آقائے دو جہاں ﷺ نے یوں فرمائی ہے:

اَلَا! اِنَّ فِیْ الجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ ، صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا	خبردار! بے شک جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے ، جب وہ درست ہوجائے تو

فَسَدَتْ ، فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔ | تمام جسم درست ہوجاتا ہے اور جب اس میں فساد واقع ہوجائے تو سارا جسم فساد زدہ ہوجاتا ہے اور خبردار رہو یہ دل ہے۔

ا۔صحیح مسلم،۲۲۔کتاب المساقان،۲۰۔باب اخذ الحلال وترک الشبہات،۳:۱۲۲۰،رقم حدیث:۱۰۷

۲۔صحیح البخاری،۲۔کتاب الایمان،۳۷۔باب فضل من استبرأ لدینہ،۱:۲۸،رقم حدیث:۵۲۔

۳۔سنن ابن ماجہ،۳۶۔کتاب الفتن،۱۴۔باب الوقوف عند الشبہات،۲:۱۳۱۸،رقم حدیث:۳۹،۸۴

گویا جب فرد کے قلبی احوال درست ہوں گے تو اس کی شخصیت لائق تحسین ہوگی اگر قلب لالچ،حرص،تکبر ونخوت اور ہوس سے پاک اور جذبات خیر واحسان سے مملوء ہونگے تو وہ اعضاء کے افعال کے خطوط مدارج کمال کی طرف متعین کرے گا اور شخصیت انسان مرتضٰی کے مرتبے پر فائز ہوگی جس سے اجتماع یعنی معاشرہ میں خیرات وحسنات کی بہار آئے گی اور اگر قلب فساد کا شکار ہوگا،تمام رذائل نفس اسکے جوہر آئینہ پر پردے ڈال دیں گے تو شخصیت تباہ ہوکر رہ جائے گی،وہ احسن تقویم کی بلندیوں سے گر کر اسفل سافلین کے قعر مذلت میں غرق ہوگا اور پھر چھوت کی بیماری کی طرح فساد قلب کے یہ جراثیم دیگر افراد معاشرہ تک منتقل ہوکر فساد قلب اور فساد شخصیت کی حدیں عبور کر کے فساد فی الارض کا سبب بن جائیں گے۔

آج تک اولیائے کرام وصلحائے امت نے فساد قلب ونظر کے علاج میں جو کاوشیں کیں کوئی صاحب علم ان سے بے خبر نہیں۔تصوف اور روحانیت کا قرآن وسنت سے ماخوذ پورا نظام فساد قلب کے علاج اور انسانی عظمتوں کے تحقق کے لیے وجود میں آیا اور یہ نظام فساد قلب کے باب میں سند قرآن اور تصدیق سنت کی بناء پر قائم ہونے والے نظریہ فساد قلب کی زندہ اور عملی دلیل ہے۔

باب دوم

فساد قلب کی پہلی صورت:
اللہ تعالیٰ سے تعلق بندگی کا
انقطاع اور اسکے اسباب

آج فسادِ قلب کا سب سے بڑا سبب شیطان اور نفس کا وہ ہلاکت آفریں حملہ نفسانیت و مادیت ہے۔ آج ہماری متاعِ ایمان لٹ چکی ہے مگر ہم مطمئن اور پرسکون سکران غفلت میں مدہوش ہیں۔ آج ضرورت ہے کہ ہم اپنے من میں جھانکیں، ہمارا ضمیر پکارے گا کہ غلام تو بکا ہوا ہوتا ہے، جب وہ غلامی کا پٹہ گلے میں ڈال لے تو حق غلامی اس وقت ادا ہوتا ہے جب وہ اپنے نفس، جان و مال اور عزت و آبرو پر ہر شے کا اختیار اپنے آقا کو دے دے اور جب اختیار کلی آقا کو دے دیا تو پھر اپنا کوئی اختیار نہیں رہتا پھر وہ رلائے یا ہنسائے، کھلائے یا بھوکا رکھے، عزت دے یا ذلت، آرام دے یا تکلیف، صحت دے یا بیماری وہ آقا اور مالک ہے۔ غلام کو تو کہیں حاشیہ خیال میں بھی شکایت نہ ابھرنے دینی چاہیے۔ آج ہم اس تناظر میں خود کو جانچیں اور وزن کریں، اپنے فکر و عمل اور رویہ حیات کا جائزہ لیں تو شرمندگی کے ساتھ ہمیں اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہم اللہ کی بندگی اور غلامی کا ایسا دعویٰ کرتے ہیں جس کی ہم اپنے قول و فعل سے ہر وقت تردید کرتے ہیں۔

تعلق بندگی کے انقطاع کے اسباب

اللہ تعالیٰ سے بندگی کٹ جانے کے دو بڑے اسباب ہیں:

۱۔ نفسانیت

۲۔ مادیت

یہ دونوں اسباب باہم متمسک ہیں۔ آج ایک طرف اللہ کی غلامی اور اس کے تقاضے اور دوسری طرف دنیا کی کششوں اور رعنائیوں کی طرف کھنچی چلی جانے والی نفس کی خواہش۔ آج مقابلہ ہے اللہ کی محبت اور دنیا کی محبت کا، اللہ کی اطاعت میں اور نفس کی اطاعت میں، اللہ کی غلامی میں اور نفس کی غلامی میں۔ ہمیں جانچا اور پرکھا جا رہا ہے کہ ہم کس طرف جاتے ہیں۔ ہم پر کس کی محبت، اطاعت اور غلامی کی گرفت مضبوط ہے اور ہم کس کے بندے ہیں۔ ہم نے اس معرکہ محبت میں شکست کھائی، ہم پر نفس کی چاہتیں غالب آ گئیں، ہم اللہ کی

محبت کے مقابلے میں نفس کی محبت میں بہہ گئے۔ اس کا کہا ماننا اور خود کو اس کی غلامی میں جکڑ دیا۔ ہم اللہ کیبندگی کا دعویٰ کرتے رہے اور نفس امارہ کی عملاً غلامی کر کے اس دعوی کی عملاً تردید کرتے رہے۔ اللہ سے تعلق کے تقاضے دب گئے۔ ہم نفس کے سامنے جھکتے چلے گئے حتی کہ حقیقت میں نفس کے بندے بن گئے، اسے اپنا الہ بنالیا اور محض صورتاً اللہ کے بندے بنے رہے۔ نفس انسانی کی اس کیفیت کا نقشہ قرآن حکیم نے یوں کھینچا ہے۔

اَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلاًo

(الفرقان، ۲۵:۴۳)

(اے رسول ﷺ آپ ان کفار کے متعلق غمگین نہ ہوں) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا تو کیا آپ اس کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔ (آپ ان کو حق پر لانے کے لیے بے تاب اور وہ حق سے گریزاں جو آپ کی بات ہی نہ سنے نہ سمجھے وہ ایمان کیا لائے گا۔)O

جس نے اللہ کے احکام کے مقابلے میں اپنے نفس، اس کے مرغوبات اور خواہشات کو ترجیح دی، جس نے اللہ کی محبت، اس کے ذکر اور اس کی مخلوق کی خدمت سے منہ موڑ کر دنیا کی لذتوں کو اپنایا، نفس کی اکساہٹوں پر عمل کیا، اس نے اپنی خواہش کو وہ مقام دے دیا جو اللہ کا حق تھا۔ اسلام اگر ترک دنیا نہیں تو غرق دنیا بھی نہیں۔ اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ تم جو بھی کرو، دنیا کے جو امور بھی سرانجام دو تمہیں اللہ نہیں بھولنا چاہیے۔ اس کی محبت ہمہ وقت تم پر غالب رہے اور تم اس کے عشق کے نشے میں سرشار رہو تو تمہارا ہر عمل اطاعت محبوب بنتا چلا جائے گا۔ دنیا تمہارے لیے ممنوع نہیں بلکہ فرمایا:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذَالِکَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللهُ عِنْدَهٗ حُسنُ الْمَاٰبِO (آل عمران، ۳:۱۴)	لوگوں کیلئے ان خواہشات کی محبت (خوب) آراستہ کردی گئی ہے (جن میں) عورتیں اور اولاد اور سونے اور چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے اور نشان کئے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی (شامل ہیں) یہ (سب) دنیوی زندگی کا سامان ہے اور اللہ کے پاس بہتر ٹھکانہ ہے۔O

نفس کی رغبتیں، جاہ وجلال، عزت، شہرت اور منصب کی خواہشات اور محبتیں اللہ نے صرف تمہیں آزمانے کے لیے تمہارے اندر رکھ دی ہیں۔ تمہیں یہ سب کچھ دے کر وہ آزمانا چاہتا ہے تم یہ سب کچھ پا کر بھی اللہ کو یاد رکھتے ہو، اس کی محبت اپنے دل میں بسائے رکھتے ہو یا اسے بھول جاتے ہو؟ جس طرح ہماری صحت اور بیماری، حرارت اور برودت، تاریکی اور روشنی اسی لیے پیدا کی گئی ہے۔ تاکہ موازنہ ہو، ہر شے کی قدر معلوم ہو اسی طرح بندے کے سامنے شہوات نفس، جاہ وجلال اور شہرت ومنصب کی کششیں بھی رکھ دی گئی ہیں اور اللہ کی محبت اور اس کے تقاضے بھی رکھ دیئے گئے ہیں تاکہ غلامی کا دعویٰ کرنے والے کو عمل کی کسوٹی پر پرکھا جائے کہ وہ کتنا خدا کا ہے اور کتنا ماسوا کا، اس کا دل کس کی محبت سے لبریز ہے اور وہ کس کی خاطر کسے چھوڑ سکتا ہے!

یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ انسان کو نکاح کا حکم دیا گیا اور اس کا مقصد یہ بیان کیا۔

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا	اور وہی (اللہ) ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی میں سے اس کا

لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا– (الاعراف، ۷:۱۸۹)	جوڑا بنایا تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کرے۔

گویا مرد کے لیے عورت میں اور عورت کے لیے مرد میں رغبت، سکون، مودت اور محبت رکھ دی اور ساتھ ہی فرما دیا۔

اَلَابِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ o (الرعد،۱۳:۲۸)	جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔O

اگر اس سکون میں مست ہو گئے تو یہ سکون ماند پڑ جائے گا۔ایک طرف وہ محبت ہے جس کا منبع ومحور زوجیت ہے اور ایک طرف وہ محبت ہے جس کا منبع ومحور عبدیت ہے، ایک طرف نسبت زوج ہے دوسری طرف نسبت آقا ہے۔ایک طرف نسبت نفس ہے اور دوسری طرف نسبت روح ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ کونسی نسبت غالب رہتی ہے۔اگر نسبت الٰہی غالب رہی تو بندگی کا دعوی سچا ہے اور اگر نسبت زوجیت غالب آ گئی تو غلامی کا دعویٰ محض دعویٰ ہے جس کی تردید تمہارا اپنا عمل کر رہا ہے۔گویا دین کا مقصد یہ ہے کہ رشتہ زوجیت اور اسکے تقاضوں کو قائم رکھتے ہوئے اللہ کی محبت کی کیفیات کو قلب وروح پر غالب رکھا جائے۔

غلبہ محبت الٰہی کے اس نکتہکی وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک دن رسول کریم ﷺ یادمحبوب حقیقی میں مستغرق تھیکہ اس عالم میں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے آپ ؐ کو اپنی طرف متوجہ کیا تو آپ نے پوچھا:

من انت ؟	تو کون ہے؟

حضرت عائشہؓ حیران وششدرہ گئیں، ذرا سنبھل کر عرض کیا۔

انا عائشة	میں عائشہ ہوں

ارشاد ہوا

من عائشة	عائشہ کون ہے؟

حضرت عائشہؓ دوبارہ گھبرا گئیں پھر سنبھلکر عرض کیا۔

انا بنت ابی بکر میں ابوبکر کی بیٹی

ارشاد ہوا

من ابی بکر؟ ابوبکر کون؟

حضرت عائشہ نے عرض کیا

ابن ابی قحافه ابوقحافہ کا بیٹا

ارشاد ہوا

من ابی قحافه؟ ابوقحافہ کون؟

(بحوالہ: معرفت الٰہیہ از مولانا شاہ عبدالغنی پھول پوری ص:۲۹۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واپس لوٹ آئیں۔

بعض عرفاء نے اس سے آگے ایک سوال اور نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں آیا کہ یہ موقع ہے کہ حضورؐ سے پوچھ لیا جائے۔

مَنْ اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ؟ آپ کون ہیں یارسول اللہ ﷺ؟

آپ نے کیا جواب دیا، بقول حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ:

؎ چپ کر مہر علی اتھے جا نئیں بولن دی

حقیقت یہ ہے کہ جب محبت جوبن پر ہو تو صرف محبوب حقیقی کی پہچان باقی رہ جاتی ہے۔ باقی سب پہچانیں بھول جاتی ہیں۔

حضور ﷺ نے یادِ محبوب میں استغراق کی کیفیت کو یوں بیان فرمایا:

لِی مَعَ اللهِ وَقْتٌ لَایَسْعَنِیْ فِیْهِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌ مُرْسَلٌ۔ (مرقاۃ المفاتیح :۱،۵۷)	میرے اور میرے مولا کے درمیان جو تعلق ہے اس میں کوئی گھڑی ایسی بھی آتی ہے کہ جس میں نہ کوئی مقرب فرشتہ دم مار سکتا ہے اور نہ کسی نبی یا مرسل کا گزر ہو سکتا ہے۔

یہ اصولی حقیقت ہے کہ جو بھی نعمت اللہ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو عطا کی ہے۔ اس نعمت کا کچھ نہ کچھ حصہ آپ کی امت کے ہر شخص کو اس کے حسب حال عطا کیا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ اللهَ وَمَلٰئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاo (الاحزاب،۳۳:۵۶)	اللہ اور اسکے فرشتے رسول پر رحمت بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو (یعنی جان بوجھ کر عبادت کے طور پر درود و سلام بھیجا کرو)o

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ نے آپ کو جو بھی نعمت دی اس میں سے ہمیں حصہ ملا، کیا اس نعمت میں سے بھی ہمیں حصہ ملے گا؟

اس سوال کا جواب اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کی طرف سے دیا۔

هُوَالَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰئِکَتُهٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًاo (الاحزاب،۳۳:۴۳)	وہی تو ہے جو اپنی رحمت بھیجتا ہے اور اسکے فرشتے بھی (دعائے مغفرت کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ تم کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے آئے (ایمان کے بعد عالم انوار میں تم کو رواں دواں لے

جائے تا کہ کسی ایک مقام میں ٹھہر جانے سے بھی ظلمت نہ آئے) اور اللہ مومنوں پر (آخرت میں بھی) بہت رحم فرمانے والا ہے (وہ ان کے گناہ بخشے گا انہیں بلند مقام عطا فرمائے گا۔O

جب یہ حضور ﷺ کا خاصہ ہے کہ آپ کو ملنے والی ہر نعمت سے آپ کے امتی بھی حصہ پاتے ہیں تو مسلمانوں کو یہ یقین نہانخانہ قلب میں جاگزیں کر لینا چاہیے کہ اگر وہ دنیاوی محبتوں پر اللہ کی محبت کو غالب کر لیں تو انہیں استغراق محبوب کی ان کیفیتوں سے کسی نہ کسی درجے میں ضرور حصہ ملے گا جو حضور ﷺ پر طاری ہوتی رہیں۔ انہیں وہ حلاوت، چاشنی اور کیف وسرور نصیب ہوگا کہ تمام دنیوی حلاوتیں اس کے سامنے مغلوب ہو جائیں گی۔ گویا کارجہاں اور اسکی دلنوازیاں انسان کے سامنے اس لیے آراستہ وپیراستہ کر دی گئیں کہ اسے آزمایا جائے۔ آیا وہ نسبت خالق، اور محبت خالق کو مضبوط واستوار کر کے غالب کرتا ہے یا نسبت مخلوق کو مضبوط واستوار کرتا اور اس کی محبت خالق کے مقابلے میں اپنے اوپر غالب کر لیتا ہے۔ اس حقیقت کو اس آیت کریمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ط وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُO

(الملک، ۶۷:۲)

وہی ہے جس نے موت وزندگی کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون (تصور صالح کے ساتھ) اچھے کام کرتا ہے اور وہی بڑا غلبہ والا ہے (اس کی پکڑ سے کوئی نہیں نکل سکتا، اپنی

بادشاہی میں اپنے سے ڈرنے والے کو
شرمندہ نہیں کرتا اور) بڑا بخشنے والا
ہے۔O

یعنی کون ہے جو اپنے عمل کو درجہ حسن سے ہمکنار کرتا ہے کون ہے جس کا عمل اس درجہ پر پہنچ جائے کہ اللہ کی نظر میں حسین ہو جائے۔ عبادت اور یاد الٰہی کے حوالے سے عمل کا حسن اور درجہ احسان وہ ہے جس کی وضاحت خود حضور ﷺ نے فرمائی:

اَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَاَنَّکَ تَرَاهُ ، فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ ، فَاِنَّهٗ يَرَاکَ o

یہ کہ تو اللہ کی عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہ دیکھ سکے تو (کم از کم) یہ کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

۱۔ صحیح البخاری، ۲۔ کتاب الایمان، ۳۶: باب سوال جبریل النبیؐ عن الایمان والسلام والاحسان وعلم الساعۃ، ۱: ۲۷، رقم حدیث: ۵۰

۲۔ صحیح مسلم، ۱۔ کتاب الایمان، ۱۔ باب بیان الایمان والاسلام والاحسان ......، ۱: ۳۷، رقم حدیث: ۱

۳۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی القدر، ۴: ۲۲۴، رقم حدیث: ۴۶۹۵

۴۔ سنن الترمذی، ۴۱۔ کتاب الایمان، ۴۔ باب ما جاء فی وصف جبریل للنبی ﷺ الایمان والاسلام، ۵: ۶، رقم حدیث: ۲۶۱۰۔

۵۔ سنن ابن ماجہ، المقدمہ، ۹۔ باب فی الایمان، ۱: ۲۴، ۲۵، رقم حدیث: ۶۳، ۶۴

عبادات میں احسن عمل یہی ہے۔ انسان کے سامنے دونوں راستے رکھ دیئے گئے گویا اسے کہہ دیا گیا اے میرے بندے! جتنی تکلیف تو مال کمانے اور دنیوی محبتوں کے تقاضے پورے کرنے میں اٹھاتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ آیا اتنی تکلیف اور مشقت تو میری خاطر میری محبت کے تقاضے پورے کرنے کے لیے بھی اٹھاتا ہے۔

انسان کی شادی ہوتی ہے تو دلہن کو خوش رکھنے کے لیے لاکھ جتن کرتا ہے۔ گھر چلانے

کی خاطر پیسہ کمانے میں مشقت اور تکلیف برداشت کرتا ہے۔ اولاد ہوتی ہے تو اس کی تعلیم و تربیت اور مستقبل کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ ہر طرح کی کوششیں کرتا ہے۔ جھوٹ سچ بولتا ہے، ذلتیں برداشت کرتا ہے۔ اگر دوکاندار ہے تو منافع کی فکر میں ہر لمحہ گزارتا ہے۔ اسے نقصان کا خوف رہتا ہے مگر یہ انسان کی بے بصیرتی ہے کہ سب کچھ دینے والے کو بھول کر دی ہوئی چیزوں میں کھو جاتا ہے، اللہ کی محبت کو فراموش کر کے اپنی کم ظرفی کے باعث دنیا کی ادنیٰ اور فانی چیزوں پر قناعت کر لیتا ہے۔ قرآن حکیم نے تہدید آمیز انداز میں انسان کے سامنے خالق کی محبت کے تقاضے اور کسوٹی رکھ دی ہے ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرفتمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاتِيَ اللهُ بِاَمرِهٖ ط وَاللهُ لَايَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَo

(التوبہ، ۹:۲۴)

آپ فرما دیں گے اگر تمہارے باپ (دادا) اور تمہارے بیٹے (بیٹیاں) اور تمہارے بھائی (بہنیں) اور تمہاری بیویاں اور تمہارے (دیگر) رشتہ دار اور تمہارے اموال جو تم نے (محنت سے) کمائے اور تجارت و کاروبار جسکے نقصان سے تم ڈرتے رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو تمہارے نزدیک اللہ اور اسکے رسول اور اسکی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (عذاب) لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتاo

اگر یہ رشتے ناطے، یہ مال اور تجارتیں جن کے لیے تم ہر وقت فکر مند رہتے ہو تمہیں اللہ اور اسکے رسول سے زیادہ پیارے ہیں تو جان رکھو کہ تم قلباً فاسق ہو۔ تمہارے دل اللہ کی

نافرمانی میں مبتلا ہیں۔ یہاں مبلغین اور احیائے دین کی جدوجہد کرنے والوں کیلئے بھی لمحہ فکریہ ہے۔ یہ آیت ہر مبلغ کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہہ رہی ہے کہ تمہیں اپنے مال تجارت اور اپنی دکان سے اتنی محبت ہے کہ اگر کوئی گاہک دکان پہ آ کر گالیاں بھی دے جائے تو تم دکان چھوڑ کر گھر نہیں بیٹھ جاتے ،تم نے کبھی یہ نہیں کہا کہ اس میں ذلت ہے اس لیے میں دکان میں نہیں جاتا بلکہ ضرورت کا دباؤ اور مال کی محبت ہر ذلت و رسوائی برداشت کرنے کے بعد بھی تمہیں دکان پر جمائے رکھتی ہے۔مگر افسوس کہ دنیوی ضروریات کے دباؤ نے تیرے لیے نفس کی ذلت واہانت کو قابل برداشت بنادیا لیکن اللہ کی رضا کو شاید تو نے ضرورت ہی نہ سمجھا اور اگر سمجھا بھی تو اتنی شدید ضرورت نہ سمجھا کہ اس کا دباؤ تجھے دین کی خاطر صعوبتیں، مصائب اور ذلتیں برداشت کرنے کے قابل بنادیتا۔اب ترازو تیرے سامنے ہے۔اپنے آپ کو تول لے کہ تو نے تبلیغ دین کا دعوی کیا لیکن دین کی خاطر تکلیف اور اذیت اٹھانے کے لیے تیرا نفس تیار نہ ہوا۔کوئی تلخ بات، کوئی پھبتی ،کوئی طنز کسی طرف سے آیا تو تو تکبر نفس کا اسیر ہوکر مصلحتوں کی وادی میں جابسا پھر تو نے یا تو تبلیغ دین چھوڑ دی یا پھر یہ ظلم کیا کہ دین کے وہ معنٰی اور مرادیں بیان کرنے لگا جو محض لوگوں کو خوش کرنے کے لیے تھیں۔ اگر تو اللہ کی خاطر یہ سب کچھ برداشت کرتا تو اگرچہ زندگی عسرت و مصیبت میں اور طعن و تشنیع کے تیر سہتے گزر جاتی لیکن آخرت میں تیری جدوجہد اس طرح ثمر آور ہوتی کہ:

پہنچ کے در پہ ترے کتنے معتبر ٹھہرے
اگرچہ راہ میں ہوئیں جگ ہنسائیاں کیا کیا

اگر ہم کبھی اپنے گریبان میں جھانک کر اپنے ضمیر سے یہ سوال کریں کہ آیا میں اللہ سے تعلق بندگی کو قائم رکھنے اور اللہ کو منانے کے لیے دنیا کی خاطر اٹھائی جانے والی تکالیف کا دسواں حصہ تکلیف بھی اٹھا رہا ہوں؟ تو جواب نفی میں ہوگا،اس لیے کہ اللہ کی محبت کے تقاضے پورے کرنے میں ہمیں مفاد عاجلہ نظر نہیں آتا۔اللہ نے زندگی کے ہر شعبے اور ہر گوشے میں

انسان کا امتحان رکھ دیا ہے۔ ہر جگہ خالق کی محبت اور مخلوق کی محبت کا ٹکراؤ ہو رہا ہے۔ آج ہم شادیوں پر لاکھوں روپے صرف کر دیتے ہیں، صرف اس لیے کہ سسرال والے ناراض نہ ہوں اچھا گھر مل جائے، لوگ تعریف کریں، بیٹی سکھی رہے لیکن جب اللہ کے نام پر دینے کا وقت آتا ہے تو دنیا کی محبت اور اللہ کی محبت کا ٹکراؤ ہونے لگتا ہے۔ یہاں موازنہ ہوتا ہے کہ بندے کے دل میں دنیا کی محبت کے مقابلے میں اللہ کی محبت کس درجے میں ہے۔ یہاں بندہ گننے لگ جاتا ہے جو پہلے دیا وہ بھی نظر میں رکھتا ہے۔ یہ انسان کی جہالت ہے کہ جس نے سب کچھ دیا اور پھر مانگ بھی رہا ہے تو اس طرح:

وَاَقۡرَضُوا اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَھُمۡ وَلَھُمۡ اَجۡرٌ کَرِیۡمٌO (الحدید، ۵۷:۱۸)

اور وہ جو اللہ کو نیک (نیتی اور خلوص سے) قرض دیتے ہیں (یعنی اللہ کی راہ میں خوشدلی سے خرچ کرتے ہیں) ان کو دوگنا (صلہ) دیا جائے گا اور (اس کے علاوہ) ان کے لیے بڑا باعزت اجر ہےO

قرآن مجید میں دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اس قرض کے لوٹانے میں سات سو گیا یا اس سے بھی زیادہ کا وعدہ کیا ہے۔

مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَھُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِیۡ کُلِّ سُنۡۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ ؕ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌO (البقرہ، ۲:۲۶۱)

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں انکی مثال (اس) دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگیں (اور پھر) ہر بالی سے سو دانے ہوں (یعنی سات سو گنا اجر پاتے ہیں) اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے (اس سے بھی) اضافہ فرما دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا خوب جاننے والا ہے۔O

لیکن بندہ اتنا نادان ہے کہ جس ذات کے لیے اپنے وجود سمیت اپنی ہر شے وقف کر دینا چاہیے تھی اسے ہاتھ کی میل بھی دیتا ہے تو حساب لگا کر اور گن گن کر۔ حق تو یہ تھا کہ بندے کے قلب وضمیر میں اللہ کی محبت کا پلڑا بھاری ہوتا اور وہ سب سے زیادہ اللہ کی راہ پر دیتا اور اگر اپنے ضعف و نادانی کے باعث وہ یہ کرنے کے قابل نہ تھا تو کم از کم اپنے تعلق بندگی اور دعوی غلامی کی لاج ہی رکھ لی ہوتی جتنا دنیا کے لیے خرچ کرتا ہے اگر اس کے برابر اللہ کی محبت میں خرچ کرتا تو محبت کا بھرم تو رہ جاتا لیکن انسان کے بارے میں ٹھیک ہی کہا گیا کہ:

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا O (الاحزاب، ۳۳:۷۲)

بے شک وہ اپنے کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔ O

تعلق بندگی کی کمزوری کے تین مرحلے

جب دنیا کی حرص اور نفس کی خواہشات انسان پر غالب آتی ہیں تو وہ تعلق بندگی کی کمزوری کے تین درجوں اور مرحلوں سے گزرتا ہے۔

پہلا مرحلہ

یہاں اللہ سے تعلق کی کیفیت وکمیت سطحی سی ہوتی ہے، انسان کے دل میں خواہشات نفس انگڑائیاں لیتی ہیں۔ حرص وطلب کے خیالات اسے ستاتے ہیں۔ خوبصورت عورت، عالیشان مکان اور باوقار سواری دیکھ کر اس پر کیفیت رشک طاری ہوتی ہے۔ یہ خیال کا مرحلہ ہے جو انسان کو آرزو کے زینے پر چڑھا دیتا ہے، تزئینات حیات کا خیال اللہ کی محبت میں خیال کے شرک کو جنم دیتا ہے۔

دوسرا مرحلہ

یہاں تعلق رہتا تو ہے مگر کالمعدوم یعنی ''نہ ہونے کے برابر''، محض ایسا تعلق جیسے کٹا ہوا

کہنا حقیقت کے اعتبار سے درست نہیں۔ یہاں آرزو طلب بن جاتی ہے انسان بیک وقت دو چیزوں کا طالب نہیں ہوسکتا۔ یہاں اللہ کی طلب کم ہو جاتی ہے اور دنیا کی طلب بڑھ جاتی ہے کیونکہ عشق نہایت غیرت مند واقع ہوا ہے یہ کبھی ایسے دلوں میں اپنا نشیمن نہیں بناتا جو اسکے ساتھ دوسروں کی طلب کو بھی شریک کرتے ہیں، طلب کے مرحلے پر انسان باعتبارِ نفس بہت سے رذائل کا شکار ہو جاتا ہے جن میں سب سے خطرناک طلب جاہ ہے جب انسان کے دل میں یہ خواہش انگڑائیاں لینے لگے کہ دوسرے اس کی تعظیم میں کھڑے ہو جائیں اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیں اسکے غلام بن کر رہیں اور اسکی عظمتوں کا چرچا کریں تو گویا اس کے دل سے اللہ کی تعظیم، اس کا ادب اور اس کی عظمتیں ختم ہوگئیں اور اس کا تعلق بندگی نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔

تیسرا مرحلہ

یہ طلب جب شدید ہو جاتی ہے تو حرص بن جاتی ہے یہ وہ کیفیت ہے جہاں تعلق بندگی کا رشتہ کٹ جاتا ہے۔ یہاں معناً اور حقیقتاً دونوں اعتبارات سے تعلق باللہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جب انسان دنیا اور تزئینات دنیا کا حریص ہوتا ہے تو ہمہ وقت حصول دنیا کے لیے اس کی رال ٹپکتی رہتی ہے، حریص کتے کی طرح زبان لٹکتی رہتی ہے اس کیفیت کی تصویر کشی قرآن حکیم نے یوں کی ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ O وَلَوْشِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ اَوْتَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ	اور آپ انہیں اس شخص کا قصہ (بھی) سنا دیں جسے ہم نے اپنی نشانیاں دیں پھر وہ ان (کے علم و نصحت) سے نکل گیا ور شیطان اسکے پیچھے لگ گیا تو وہ گمراہوں میں سے ہوگیاO اور ہم چاہتے تو اسے ان (آیتوں کے علم وعمل) کے ذریعے بلند فرما دیتے لیکن وہ (خود) زمینی دنیا کی (پستی کی)

الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَO
(الاعراف،۷:۱۷۵۔۱۷۶)

طرف راغب ہو گیا اور اپنی خواہش کا پیرو بن گیا، تو (اب) اسکی مثال اس کتے جیسی ہے کہ اگر تو اس پر سختی کرے تو وہ زبان نکال دے یا اسے چھوڑ دے (تب بھی) زبان نکالے رہے یہ ایسے لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا سو آپ یہ واقعات (لوگوں سے) بیان کریں تا کہ وہ غور وفکر کریں۔O

گویا اگر اہل دین پر دنیا پرستی اور حرص دنیا غالب آ جائے تو ان کی کیفیت اور بھی عبرتناک ہو جاتی ہے، اہل دنیا ہوں یا اہل دین، اس کیفیت کے پیدا ہونے کا بنیادی سبب حرص سے جنم لینے والا فسادِ قلب ہے جو اللہ کی ذات سے تعلق ومحبت کے رشتے کاٹ دیتا ہے۔

اس حقیت کی طرف حضرت علی المرتضیٰؓ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

اَلدُّنْيَا جِيْفَةٌ وَطَالِبُهَا كِلَابٌ

دنیا مردار ہے اور اس کی طلب میں کھنچے والے کتے ہیں۔

۱۔ کشف الخفا، ۱:۴۹۲

۲۔ کنز العمال، ۳:۲۱۴، رقم: ۶۲۱۵

دنیا کی طلب اور حرص رکھنے والے فساد قلب کے شکار آج کے انسان پر یہ حقیقت آشکار کرنے کی ضروت ہے کہ جس عزت، شہرت، دولت اور جاہ وجلال کے لیے تو سرگرداں ہے، اس کے پیچھے پیچھے ذلت اٹھاتا پھرتا ہے آخر یہ چیزیں بھی تو کسی کی طالب ہیں جو بندے ان چیزوں کے پیچھے بھاگتے ہیں یہ ان سے نفرت کرتی ہیں کیونکہ وہ اپنی عظمتوں کو داغدار کر کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی محتاجی چھوڑ کر دنیا کی محتاجی کرتے ہیں۔ پھر اگر کسی کو آزمائش کے لیے یہ سب کچھ مل جائے تو بھی ذلیل ورسوا اور اگر نہ ملے تو بھی ذلیل ورسوا۔ اور جو بندے ان

چیزوں کی طرف پیٹھ کر کے صرف اللہ کی طرف منہ کر لیتے ہیں پھران چیزوں کو وہی بندے اچھے لگتے ہیں جواللہ کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ طالب دنیا تلاش دنیا میں گم ہوتا ہے جب کہ دنیا مولا کی تلاش میں گم ہوتی ہے اور جب بندہ طالب مولا ہوکر مولا کی محبت میں مستغرق ہوجاتا ہے تو قرآن اسکے اعزاز کوآشکار کرتا ہے کہ:

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ– (لقمٰن،۳۱:۲۰)

کیاتم لوگوں نےنہیں دیکھا کہ اللہ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے سب کوتمہارےہی کام میں لگادیا ہے۔

گویا

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تونہیں جہاں کے لیے

اوریہی وہ مقام ہے جہاں طالب دنیااورطالب مولا کی پہچان ہوتی ہے۔

؎ کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

اگر بندہ صرف اللہ کا بن جائے اور ماسوا سے غیرمتوجہ ہوجائے تو مولا ساری کائنات اس کےقدموں میں ڈال دیناچاہتے ہیں۔

ہم تومائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں

امام نبہانیؒ ''جامع کرامات اولیاء'' میں رقم طراز ہیں کہ طالب مولا جدھر چلتے ہیں بادل ان کے ساتھ ساتھ جاتا ہے۔قحط میں لوگ کہتے ہیں کہ بارش ہوجائے تو وہ کہتے ہیں سودا کرلو۔پھروہ سوداکرتے ہیں اوراغنیاء سے لےکرغرباء میں تقسیم کردیتے ہیں گویا:

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَلَکُمْ مَّافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ (لقمن، ۳۱: ۲۰)

کیا تم لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جوکچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب کوتمہارے ہی کام میں لگا دیا ہے۔

کا مفہوم یہ ہے کہ اے بندہ مولا! اللہ تعالیٰ قلم تقدیر تیرے ہاتھ میں تھما دینا چاہتا ہے۔ تو بندۂ مولا تو بن تجھے وہ مقام عطا کر دیا جائے گا کہ تو جس چیز کو کہے گا ہو جا وہ ہو جائے گی۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ بلخ کے سلطان تھے۔ جب آپ نے محبت الٰہی کا نشہ چکھ لیا تو تخت شاہی کو ٹھکرا کر باہر آ گئے۔ ایک دن دریا کے کنارے بیٹھے گدڑی سی رہے تھے، آپ کے ایک وزیر کا گزر ہوا تو اسکے دل میں خیال آیا کہ کیسا نادان ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو ٹھکرا کر یہاں دریا کے کنارے بیٹھا ہے۔ جب آپ پر اس کے دل کا خیال منکشف ہوا تو آپ نے اسے بلایا اور اس کے سامنے اپنی سوئی دریا میں پھینک کر مچھلیوں کو سوئی واپس لانے کا حکم دیا۔ وزیر نے بچشم سر یہ نظارہ دیکھا کہ ہزاروں مچھلیاں سونے کی سوئیاں منہ میں لیے پانی سے سر باہر نکالے سوئیاں پیش کر رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا صرف میری اپنی سوئی درکار ہے چنانچہ ایک مچھلی نے غوطہ لگایا اور وہ لوہے کی سوئی پیش کر دی۔ آپ نے فرمایا یہ سلطنت بہتر تھی یا یہ سلطنت بہتر ہے؟ میں جب سے اللہ کا بندہ بن گیا ہوں ہر شے میری سلطنت میں دیدی گئی ہے۔

مدعا یہ ہے کہ اگر اللہ سے تعلق بندگی استوار ہے تو انسانوں کو مقام تسخیر حاصل ہو جاتا ہے اور اگر یہ تعلق مختلف مرحلوں میں کمزور پڑتا پڑتا کٹ ہی جائے تو انسان طالب دنیا بن کر ذلیل وخوار ہو جاتا ہے۔

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامان موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم
اپنے مالک کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا وجم

باب سوم

فساد قلب کی پہلی صورت کا علاج:

ا۔ صحبت صلحاء

۲۔ ذکر الٰہی

صحبت صلحاء

فسادِ قلب کی حقیقت اور اسکے اسباب کو واضح کر دینے کے بعد تشخیص مرض کا مرحلہ مکمل ہو جاتا ہے اور مرحلہ مسیحائی کا آغاز ہوتا ہے۔ علاج کا نصب العین یہ ہوتا ہے کہ مریض کے وجود سے بیماری کے اثرات و مضمرات اور تمام جراثیم کلیتاً ختم کر کے اسے کاملاً صحت مند کر دیا جائے تا کہ وہ زندہ، متحرک اور کامیاب زندگی گزار سکے۔ اسکی ذات اہل دنیا کے لیے مفید اور فیض رساں ہو۔ اسکے فکر و عمل کے ذریعے اسے حیات باشرف نصیب ہو۔ فسادِ قلب کے علاج کا منتہائے نظر بھی یہی ہے کہ شخصیت تمام روحانی کمزوریوں، قوت بہیمیہ کے غلبے اور خواہش نفس کی اکساہٹوں سے محفوظ و مامون ہو جائے اس کے اندر کی پاکیزگی اس میں وہ روحانی قوت پیدا کر دے کہ وہ اللہ سے تعلق بندگی اور اس کے پیارے رسول ﷺ سے تعلق غلامی استوار کرنے کے لئے بے قرار و مضطرب ہو جائے اس کی حیات مستعار کا لمحہ لمحہ اللہ اور رسول ﷺ کی محبت کی حلاوت اور شیرینی سے لطف اندوز ہونے لگے پھر اس کی شقاوت سعادت بن جاتی ہے اور ذلت شرف میں بدل جاتی ہے۔ اسکے باطن کی تیرگیاں کافور ہو جاتی ہیں اور اس کے قلب و روح صحت و عافیت پا کر تعلق باللہ کے نور سے جگمگا اٹھتے ہیں۔ غلامی رسول ﷺ اس جگمگاتی شخصیت میں ہیرے کی جوت جگا دیتی ہے اور جب تعلق بندگی حقیقتاً و معنًا استوار ہو جاتا ہے اور صورتاً معلوم و مشہود ہوتا ہے تو انسان کو مقام تسخیر حاصل ہو جاتا ہے پھر راکب تقدیر اپنا اشہب قلم مرد مومن کے ہاتھ میں تھما دیتا ہے اور اسے وہ توفیق ارزانی ہوتی ہے کہ:

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا کار ساز

خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

اس کی امیدیں قلیل اسکے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب اس کی صدا دلنواز

قرآنی منہاج اور صحبت صلحاء

فسادِ قلب کے علاج کے لیے از آغاز تا انتہا ہمارا نسخہ (Formula) قرآن سے اخذ شدہ ہے جسے ہم قرآن ہی کی زبان میں منہاج سے تعبیر کرتے ہیں۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک ملت کے لیے الگ شریعت اور کشادہ راہ عمل بنائی ہے۔ (المائدہ، ۵:۴۸)

قرآن فہمی کے لیے ہمارے پاس تفسیر کا منہاج بھی منہاج القرآن ہی ہے۔ ہم قرآن سے قرآنی منہاج اخذ کرتے ہیں انہی اصولوں کو اپناتے ہیں جو خود قرآن نے دیئے ہیں۔ فسادِ قلب کے علاج کے لیے قرآنی نقطۂ اولیٰ صحبت ہے۔ امت مسلمہ کے روحانی، دینی اور سیاسی زوال کا بنیادی سبب قرآنی منہاج کو چھوڑ دینا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآنی منہاج نے مومنانہ وقلندرانہ زندگی کے جو ضابطے دیئے تھے آج ہم انہیں بھلا بیٹھے ہیں۔ آج اس امت کی ڈولتی ناؤ کا واحد سہارا قرآنی منہاج ہے جسے بحال کرنا اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے محبت کا اولین تقاضا ہے جس طرح ہم نے قرآنی منہاج کے دوسرے ضابطے بھلا دیئے اسیطرح صحبت کے سبق کو بھی بھلا بیٹھے۔ آج ہم صحبت کی افادیت سے نہ صرف آگاہ نہیں رہے بلکہ مادیت کے غلبے نے یہاں تک پہنچا دیا کہ بعض لوگ صحبت سے انکاری ہوکر اس کی مذمت پر بھی اتر آئے اور صحبت سے پیدا ہونے والی کیفیاتِ عظمیٰ کو جنون اور پاگل پن قرار دینے لگے حالانکہ

امتاں را زندگی جذب دروں
کم نظر ایں جذب را گوید جنوں
ہیچ قوم زیر چرخ لاجورد
بے جنون ذو فنون کارے نکرد

جب صحبت مصطفٰی ﷺ نے صحابہؓ کو یہ ''جنون ذوفنون'' عطا کیا تو صحابہ عالم انسانی کی وہ شخصیتیں بن کر منصۂ شہود پر آئے جن کی مثال پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔

چونکہ فساد قلب کے علاج کے لیے نصب العین اللہ سے ٹوٹے ہوئے تعلق کو جوڑ کر زندہ اور استوار تعلق میں بدل دینا ہے جو اللہ کے بندوں کی صحبت سے ہی ممکن ہے۔ اللہ کے عشق و محبت کا راستہ اسی صحبت سے کھلتا ہے، صحبت ہی سے کیفیات عشق و مستی قلوب پر وارد ہوتی ہیں اس لیے جس شخص نے اللہ کے بندوں کی صحبت کو ترک کر دیا وہ اللہ کی بندگی کا راز نہیں پا سکتا۔ وہ ان لذتوں اور حلاوتوں سے محروم رہتا ہے جن کے فیضان سے۔

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود

صحبت بنائے صحابیت بنی

یہی سبب ہے کہ افراد ملت میں تفاوتِ درجات قرب الٰہی کے اعتبار سے ہے۔ جس طبقے کو سب سے زیادہ عز و شرف ملا، وہ صحابی صحبت والا کہلایا۔ صحابہ کرامؓ کی زندگی کا سب سے بڑا اعزاز اور شرف صحبت تھی۔ صحابہ کرامؓ رہبان باللیل بھی تھے، چاہیے تھا کہ زاہد شب زندہ دار کہلاتے۔ وہ فرسان بالنھار بھی تھے، چاہیے تھا کہ مجاہد جاں نثار کہلاتے۔ وہ تہجد گزار تھے، چاہیے تھا کہ متہجد کہلاتے۔ جو کچھ ان کے پاس ہوتا اللہ کی محبت میں خرچ کر دیتے تھے، چاہیے تھا کہ منفق، سخی اور جواد و کریم کہلاتے۔ یہ سارے شرف اور اعزاز اپنی جگہ قابل رشک سہی لیکن جسے حالت ایمان میں حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوگئی، صحبت کی دولت مل گئی، اسے ایمان واسلام کا تمام تر وجدان حاصل ہوگیا اور بحالت ایمان نسبت زیارت سے وہ درجہ نصیب ہوا جس کے سامنے تمام درجات و مراتب ہیچ ہیں کیونکہ صحبت محبوب ﷺ مغز ایمان اور روح اسلام ہے۔ لہٰذا صحابی کا لقب اور شرف بھی صحبت ہی سے عبارت ہے۔

صحابیت۔۔۔۔۔۔شرف و امتیاز کا نقطہ کمال

دنیا جانتی ہے اور تسلیم کرتی ہے کہ سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ اقلیم ولایت کے شہنشاہ ہیں، اولیاء میں ان سے بڑھ کر کسی کا مرتبہ نہیں لیکن دنیا یہ بھی جانتی اور مانتی ہے کہ سیدنا عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ ایک ادنیٰ صحابیؓ کے بھی ہم پلہ نہیں ہو سکتے۔ وہ شخص جو تمام زندگی نیکیوں میں پیچھے رہا، زندگی کفر و شرک اور شباب و کباب میں گزاری لیکن حضورﷺ کا نام سنا تو حاضر ہو کر ایمان لے آیا، اس کی ساری زندگی کی کمائی صرف صحبت ٹھہری اس نے اور کوئی عمل نہ کیا۔ حضور نبی کریمﷺ کی صحبت میں چند لمحات حالت ایمان میں گزرانے سے اسے جو شرف صحابیت ملا اس کے باعث اس کے مقام و مرتبے کو کوئی بڑے سے بڑا غیر صحابی ولی اور غوث چھو بھی نہیں سکتا۔

قرآنی منہاج میں صحبت کو جو مرکزی حیثیت حاصل ہے اسکے مطابق ہر جمال و کمال، ہر مرتبہ و درجہ اور ہر عز و شرف صحبت کا فیض ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا۔ (الفتح، ۲۹:۴۸)	محمدﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت (اور زور آور) ہیں (لیکن) آپس میں رحم دل۔ تو (بھی) دیکھتا ہے کہ وہ (کبھی) رکوع (کبھی) سجود میں۔ غرض (ہر طرح) اللہ سے اس کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلبگار ہیں۔

یہ حضورﷺ کی معیت، رفاقت اور صحبت کا فیض تھا کہ ان کی شخصیتوں میں جلال و جمال کی وہ کیفیتیں پیدا ہوئیں کہ:

؎ جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

ان میں باہمی محبت ورحمت پیدا ہوئی تو حضور ﷺ کی صحبت کے پرتو سے ان کی زندگی محبوب حقیقی کے حضور رکوع وسجود کا لطف اٹھاتے گزری۔ وہ راکع بنے، ساجد بنے، فضل رب کے متلاشی بنے، عبادت کا شغف اور عادت پائی یہ سب کچھ کہاں سے ملا؟ یہ سب صحبت کا فیض ہے۔ انہیں رب کی رضا ملی تو صحبت سے، اور **یحببکم اللہ** کی شان محبوبیت ملی تو صحبت سے، ان کے چہروں پر عبادت کے آثار اور پیشانی پر سجدہ کے نشان، ان کی جبین روشن سے چھنتا ہوا ولایت کا نور سب کچھ فیضان صحبت ومعیت ہے۔

آج مادیت اور نفس پرستی نے دل کی آنکھوں پر ایسے پردے ڈال دیئے ہیں کہ ہم نیک لوگوں کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں۔ اس لیے ہمارے فساد قلب کا یہی علاج ہے کہ جہاں نیکی کی بات ہو وہاں جا بیٹھیں، اسی صحبت کو اپنا لیں۔ ان میں کوئی تو نیک اور مقرب بارگاہ الٰہی ہوگا۔ عطار کی مجلس سے اگر عطر نہ ملے گا خوشبو تو آ ہی جائے گی۔ مشام جاں تو معطر ہو ہی جائے گا ۔ حس شامہ کو زندگی تو مل ہی جائے گی اور اگر خوشبو ہی مل گئی تو خوشبو کی سمت میں سفر کرنا اہل عزم و ہمت کو پھولوں تک لے ہی جایا کرتا ہے۔

امام ابو قاسم قشیریؒ تابعین اور قرون اولیٰ کے اولیاء وصلحاء کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب ان میں سے کوئی اپنے آئینہ قلب پر زنگ محسوس کرتا، عبادت کے سرور و کیف میں کمی یا فقدان محسوس کرتا، کوئی روحانی بوجھ محسوس کرتا اور تعلق باللہ میں کمی کے باعث کوئی روحانی پریشانی، الجھن یا حجاب محسوس کرتا تو اپنے کسی دوست کے پاس جاتا اور اس سے کہتا کہ آؤ ذرا چل کر اہل ذکر کی محفل میں بیٹھیں۔ ان کا روحانی علاج کے باب میں یہ انداز ثابت کرتا ہے کہ فقط جا کر بیٹھنے سے بھی مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔ صحبت سے سب کچھ نصیب ہوتا ہے۔ اللہ والوں کی صحبت میں بار بار بیٹھنے سے عشق الٰہی کی پیاس تو لگ ہی جاتی ہے۔

پانی سے پہلے پیاس کی ضرورت

قاعدہ یہ ہے کہ پہلے پانی نہیں بلکہ پیاس کی ضرورت ہوتی ہے اور جب پیاس لگ جاتی ہے تو پانی کی طلب پیدا ہوتی ہے۔ جب طلب پیدا ہوتی ہے تو مطلوب کے لیے مجاہدہ کیا جاتا ہے۔ پیاس نظر نہیں آتی، انسان نہ اسے سونگھ سکتا ہے، نہ سن سکتا ہے، نہ چھو سکتا ہے اور نہ چکھ سکتا ہے لیکن پھر بھی پیاس ایک عظیم حقیقت ہے جو لوگ حقیقتوں کا فیصلہ محسوسات کے حوالے سے کرتے ہیں وہ محسوس نہ ہونے والی حقیقتوں سے انکار کر بیٹھتے ہیں حالانکہ حقیقتیں ہوتی وہی ہیں جو محسوس نہیں ہوتیں اور محسوس ہوئے بغیر موجود رہتی ہیں۔ ہم دنیا کا کوئی پھل لے لیں، کیلا، آم، خربوزہ، سیب غرض کوئی بھی پھل ہو اس کے اندر اس کا گودا، چھلکا، بیج یا گٹھلی غرض تمام اجزاء موجود ہوں لیکن ذائقہ نہ ہو تو ہم کبھی نہ کھائیں گے۔ آم کے چھلکے، گودہ اور گٹھلی سب کچھ موجود ہو تو اس کے آم ہونے میں کوئی کمی نہیں ہوتی لیکن ذائقہ جو نظر نہیں آتا وہ نہ ہو تو ہم آم کو آم کہنے کو تیار نہیں ہوتے۔ گویا ذائقہ اصل ہے، ذائقہ بنیاد ہے، ذائقہ حقیقت ہے اور وہ تمام اجزاء جو نظر آ رہے ہیں وہ محض مجاز ہیں۔ اصل شے وہ ہے جو نظر نہیں آتی۔ ہم کوئی کتاب اٹھا کر پھلوں کا تجزیہ پڑھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ماہرین نے پھلوں کے اجزائے ترکیبی میں سے ہر جز کا تذکرہ کیا ہے انہوں نے ہر پھل کے (Essential Ingredients اور Constituent Elements) کا تذکرہ کیا ہے لیکن ذائقے کا کہیں ذکر نہیں ملے گا اسے کہیں بھی بطور جزء نہیں مانا گیا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جسے جزء بھی نہیں مانا جاتا وہ کل کی روح ہے۔ اسی طرح انسان کے بارے میں ہماری ظاہر بین نظریں دھوکہ کھا گئیں جسے ہم سب کچھ سمجھ رہے ہیں وہ درحقیقت کچھ بھی نہیں۔ یہ وجود کا خوبصورت قصر، یہ اعضاء کا تناسب یہ جلد کا حسن و جمال یہ محض پوست ہے جبکہ جان روح اور حقیقت وہ ہے جسے ہم کچھ بھی نہیں سمجھ رہے دراصل وہی سب کچھ ہے۔

آدمی دید است باقی پوست است
دیدآں باشد کہ دید دوست است

سلسلہ شب بیداری کی غرض وغایت

محافل شب بیداری کا مقصد ایک پیاس کو بھڑکانا ہے طلب کی چنگاری پیدا کر کے اسے ہوا دینا ہے۔ صحبت سے پانی ملے نہ ملے پیاس ضرور مل جائے گی اور اگر پیاس مل گئی تو سب کچھ مل جائے گا۔ جب پیاس لگ جاتی ہے تو وہ خود پانی کو ڈھونڈ لیتی ہے۔ کچھ لوگ شکایت کرتے ہیں کہ ہم نے بہت ڈھونڈا مگر کوئی اللہ کا بندہ نہ ملا۔ ان کا شکوہ اس لیے ہوتا ہے کہ وہ اپنے اندر پیاس بڑھکائے بغیر اللہ کا بندہ ڈھونڈتے ہیں۔ انہیں خبر نہیں کہ اللہ کے بندے لوگوں کو نہیں پیاس کو ملا کرتے ہیں۔ مشروب خواہ کتنا ہی قیمتی اور لذیذ کیوں نہ ہو اگر پیاس نہ ہو تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی کیونکہ مشروب کا مقام اپنی جگہ، اس کے نعمت اور راحت جاں ہونے سے انکار نہیں لیکن جب تک پیاس نہ لگے مشروب کی لذتیں اور حلاوتیں کیونکر محسوس ہوسکتی ہیں؟ فساد قلب کے علاج اور روحانی تربیت کے لیے قرآنی منہاج کا پہلا نقطہ صحبت ہے جس کی شہادت کتاب زندہ دیتی ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ O
(آل عمران، ۳:۱۶۴)

بے شک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہیں میں سے عظمت والا رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے O

تزکیہ کیا ہے؟

تلاوت آیات کے بعد رسول اکرم ﷺ انسانوں کے نفوس کا تزکیہ کرتے ہیں جو ان

کی صحبت میں آ جاتے ہیں ان کے نفوس کو مانجتے ہیں۔ یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ دھونے اور مانجنے میں فرق ہے۔ برتن پر چکنائی لگی ہو یا میل جم جائے تو منوں پانی بہا دینے سے بھی برتن صاف اور پاک نہیں ہوتا جب تک کہ برتن کو خاک یا ریت سے مانجا نہ جائے جب کسی شے کو مانجا جاتا ہے تو رگڑ پیدا ہوتی ہے، جسم چھلتا ہے، آرام چھن جاتا ہے، برتن کو مٹی یا ریت میں لت پت کر دیا جاتا ہے اور جب برتن یہ تمام تکلیفیں برداشت کر لیتا ہے تو اس وقت وہ حقیقتاً، معنًا اور صورۃً صاف ہو جاتا ہے اسی طرح جب تک ہمارے نفسوں کو صحبت کی ریت سے مانجا نہ جائے، ان کے غرور اور تکبر و نخوت کو مٹا دینے کے لیے انہیں خاک میں لت پت نہ کیا جائے ممکن نہیں کہ تزکیہ ہو جائے، فساد قلب مٹ جائے اور روحانی امراض کے جراثیم کا خاتمہ ہو جائے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تکلیف بھی نہ ہو اور مانجے بھی جائیں، اللہ والوں کی صحبت کی رگڑ بھی برداشت نہ کرنی پڑے اور اللہ بھی مل جائے۔ یہ الگ بات ہے کہ کبھی صاحب نظر کسی کو نگاہ سے ہی مانج دے لیکن یہ عطا عنایت اور وہب کا معاملہ ہے اصول اور قاعدہ یہی ہے کہ تزکیہ وہی پاتا ہے جو مانجے جانے کی تکلیف اور صعوبت برداشت کرے۔

اینویں تے قیمت پیندی نئیں کچھ دکھ وی سہنا پیندا اے
قطرے نوں موتی بنن لئی قیداں وچ رہنا پیندا اے

جب انسان کو صحبت کی رگڑ سے مانجا جاتا ہے وہ ریت اور مٹی میں لت پت ہوتا ہے تو اس سے اس کی انا مٹتی ہے، تکبر و نخوت کے بت پاش پاش ہوتے ہیں اور یہ توڑ پھوڑ کا عمل ہی تعمیر کی بنیاد ہوتا ہے۔

گفت رومی ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند
می ندانی اول آں بنیاد را ویراں کنند

فساد قلب کو مٹا کر اسکے جراثیم کو نابود کر کے شخصیت کی تعمیر اس تخریب سے جنم لیتی ہے جو عشق کے ہاتھوں عمل میں آتی ہے۔ بقول مولانا رومؒ

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما
اے کہ افلاطون و جالینوس ما
اے علاج نخوت و ناموس ما

مولانا رومؒ کہتے ہیں اے عشق تو آباد رہے تو میری جملہ بیماریوں کا علاج ہے۔ تو میری جھوٹی انا، جھوٹی عزت وناموس، جھوٹے بھرم اور جھوٹی بڑائی کے بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ جب میرے نفس کے بت پر تیری ضرب پڑتی ہے تو اس کا وجود ذرات بن کر بکھر جاتا ہے ۔خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بزن بسنگ ملامت زجاجہ ناموس
بکوئے عشق بریز آبروئے تقوی را

تزکیہ سے قبل تلاوت آیات کی حکمت

اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کے بارے میں فرمایا کہ وہ تلاوت آیات کے بعد پہلے لوگوں کے من کو مانجتے ہیں اور پھر تعلیم قرآن کا آغاز کرتے ہیں۔ آج ہم اپنے من کو نہیں مانجتے اور صرف قرآن پڑھتے پڑھاتے پھرتے ہیں۔ یہ محض پانی بہاتے چلے جانا ہے۔ جس سے برتن دھل جاتا ہے لیکن صاف نہیں ہو پاتا جو لوگ حضور ﷺ کی صحبت میں آتے تھے۔ وہ باطن کی سیاہیوں کے ساتھ ایمان قبول کرتے تھے۔ آپ ﷺ ان کی روحانی تربیت کا آغاز مانجنے سے نہ کرتے تھے۔ آپ یزکیھم سے پہلے تلاوت آیات فرماتے تھے۔ ان آیتوں کے نور سے انہیں اجالا، ملتا تھا ان کے اندر روشنی پیدا ہوتی تھی اور جب اندر روشنی ہوئی تو اندر آلودگیوں کے ڈھیر نظر آنے لگے۔ اس اجالے میں انہوں نے اپنے شرک، معصیت اور گناہ کی سیاہیاں دیکھیں، حرص ولالچ اور جھوٹے بھرم کی آلودگیاں، حب جاہ و مال اور شہوات نفس کے سانپ اور بچھو دیکھے جب انہیں یہ آلودگیاں اور زنگ نظر آئے تو پریشان ہوگئے کہ کس طرح یہ من صاف ہو؟

سیاہی ختم ہو اور اجالا ہو جائے یہ زنگ کا نظر آ جانا اور اسے دور کرنے کے لیے بیقراری پیدا ہو جانا اس پیاس ہی کا دوسرا نام ہے جو ان شب بیداریوں کے ذریعے ہم بھڑکانہ چاہتے ہیں۔ یہ پیاس صحبتوں ہی سے بھڑکتی ہے۔ جب حضور ﷺ کی صحبت نے صحابہؓ کے اندر سچی طلب، پیاس اور تڑپ پیدا کر دی، جب پیاس بھڑک اٹھی تو آقا ﷺ نے لطف و کرم اور عطا کا پیالہ پلا دیا۔ **یزکیھم** کا مرحلہ طے ہو گیا، نفوس کا تزکیہ ہو گیا اور جب نفس مانجے گئے تو وہ اس قابل ہو گئے کہ انہیں **یعلمھم الکتاب والحکمۃ** کے مرحلے سے گزارا گیا ان کے ظرف اتنے پاک اور اتنے وسیع ہو گئے کہ قرآن کی معرفت اور حکمت کا شیریں اور خالص دودھ ڈال کر انہیں لبالب بھر دیا گیا۔ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم شروع میں اس لیے نہ دی گئی کہ جہاں دودھ کے لیے برتن ضروری ہے وہاں برتن کا مانجا ہوا ہونا بھی ضروری ہے۔

صحبتوں کا احیاء۔۔۔وقت کی اولین ضرورت

آج ہماری اولین ضرورت ان صحبتوں کو زندہ کرنا ہے جن سے طلب پیدا ہوتی ہے اور جب طلب تڑپ بن جائے تو پانی مل ہی جاتا ہے۔ صحبت فساد قلب کے علاج کے لیے قرآنی منہاج کا وہ نقطہ اولیٰ ہے جسے محض صوفیانہ اصطلاح کہہ کر ٹالا نہیں جا سکتا۔ صحبت کا حکم خود قرآن نے دیا ہے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَاتَعْدُ عَيْنٰکَ عَنْهُمْ ج

(الکہف، ۱۸:۲۸)

(اے میرے بندے) تو اپنے آپ کو ان لوگوں کی سنگت میں جمائے رکھ کہ جو صبح و شام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اسکی رضا کے طلب گار رہتے ہیں تیری (صحبت اور توجہ کی) نگاہیں ان سے نہ ہٹیں۔

ہمیں قربت الٰہی کا راز بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں رب مل جائے تو پھر

ان کی صحبت میں بیٹھا کرو جن کا ہر لمحہ یادِ محبوب میں گزرتا ہے جن کا تعلق اللہ سے کبھی نہیں ٹوٹتا جنکے فکر، خیال اور جذبات کی ڈوری اللہ سے جڑی ہوئی ہے جو جاگتے ہیں تب بھی مولا سے باتیں کرتے ہیں، سوتے ہیں تب بھی مولا کی یاد میں ہوتے ہیں۔ ان کو خلوت وجلوت اور تنہائی یا ہجوم یادِ محبوب سے غافل نہیں کر سکتے۔ اگر تم اللہ کو پانا چاہتے ہو تو ایسے لوگوں کی صحبت کو پالو، ان کے دامن کو تھام لو اور ان پر اپنی نگاہیں ٹکائے رکھو۔ تمہارا تعلق بھی اللہ سے جڑ جائے گا۔

گرد مستاں گرد گرمے کم رسد بوئے رسد

بوئے اوگر کم رسد رویت ایشاں بس است

بادہ الست سے بےخود مستوں کے گرد گھومتے رہو۔ کبھی تمہیں شراب الست کے ایک دوگھونٹ مل ہی جائیں گے اور اگر شراب نہ بھی ملی تو اس کی بو تو ضرور ہی مل جائے گی اگر بالفرض تمہیں زکام ہوا ہوا اور شامہ معطل ہو پھر بھی صحبت نہ چھوڑ و ان مستوں کی زیارت کرتے رہنا بھی ایک دن تمہارے لیے نشے کا سبب بن جائے گا۔ تمہیں شراب مل جائے گی، اہل دل جب کسی میں نشہ کی سہار دیکھتے ہیں تو فیض صحبت کے جام لنڈھاتے ہیں ان کا فیض بخل وخست سے مبرا وماورا ہے۔ یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ قرآن عشق کے سبق دیتا ہے۔

وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۔ تیری (محبت اور توجہ کی) نگاہیں ان سے نہ ہٹیں۔

(الکہف، ۱۸:۲۸)

اپنے نفس کو ان کی صحبت میں جمائے رکھ اور آنکھیں انکے چہروں پر ٹکائے رکھ۔ ان کی آنکھوں کو تکتا رہ اور اس یقین کے ساتھ تکتا رہ کہ یہ وہ آنکھیں ہیں جو محبوب کو تکتی ہیں اور اسکے لیے روتی ہیں۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اللہ نے اپنے بندوں کو اپنا قرب عطا کرنے کے لیے پہلے شخصیت بھیجی بعد میں کتاب نازل کی۔ شخصیت کی تعمیر شخصیت ہی کرتی ہے اور فعل تعمیر

کے لیے صحبت کے بغیر چارہ نہیں۔ دین قیل وقال کا نام نہیں بلکہ حال کا نام ہے۔ نماز کے احکام وتفصیلات آ جانے کے باوجود جب صحابہؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ:

كَيْفَ نُصَلِّىْ ؟ — ہم نماز کیسے ادا کریں؟

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

صَلُّوا كَمَا رَأيتُمُوْ نِىْ اُصَلِّى۔ — اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔

(صحیح البخاری، ۱۴۱۔ کتاب الاذان، ۱۸۔ باب الاذان للمسافر، ۱: ۲۲۶، رقم: ۶۰۵)

گویا فرما دیا کہ مجھے دیکھا کرو تمہیں نماز پڑھنا آ جائے گی۔ کیونکہ دین قیل وقال کے راستے سے نہیں آتا بلکہ صحبت میں بیٹھ کر حال دیکھنے سے آتا ہے۔ صحبت وہ دولت ہے جو حضور ﷺ کے بعد نسلاً بعد نسلاً منتقل ہوتی چلی آ رہی ہے۔

صحبتیں۔۔۔ فیضان نبوت کے سلسلے ہیں

یہ سلسلہ فیضان نبوت ہے کہ جو دین کی حقیقت تک رسائی کا واحد ذریعہ ہے۔ اگر ہم آج بھی دین کو اور اس کی حقیقت کو سمجھ کر اپنے قال کو حال میں بدلنا چاہتے ہیں تو پھر ان صحبتوں کو زندہ کرنا ہوگا، اہل حال کے پاس جانا ہوگا، ان کے احوال کا مشاہدہ کرنا ہوگا، ان کے چراغ سے اپنا چراغ جلانا ہوگا کیونکہ چراغ جلانے کی ترکیب جان لینا اور دیا سلائی پاس رکھ لینا کافی نہیں، جب تک دیا سلائی جلا کر اس کا شعلہ نہ بھڑکایا جائے گا چراغ نہ جل سکے گا کیونکہ صحبت ہی تعمیر شخصیت کرتی ہے اور صحبت ہی بنیاد انقلاب ہوتی ہے۔

پختہ سازد صحبت ہر خام را
تازہ غوغائے دہرا پام را

مولانا رومؒ اپنی مثنوی میں ایک عرب بادشاہ امرؤالقیس کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ یہ

بادشاہ نہایت جاہ وجلال اور خرم وچشم والا تھا۔ سلطنت کی عظمت وشوکت کے ساتھ ساتھ نہایت حسین وجمیل بھی تھا۔ ایک رات سویا تھا کہ عشق حقیقی کے تیر کا شکار ہو گیا۔ عشق الٰہی کی آگ اس کے اندر بھڑک اٹھی۔ اس نے سلطنت اور جاہ وجلال کو چھوڑا اور اپنا ملک چھوڑ کر تبوک کے مقام پر رہنے لگا۔ وہ مٹی کے برتن بنا کر بیچتا اور اپنے چہرے پر پردہ ڈالے رکھتا تا کہ لوگ پہچان نہ سکیں لیکن لوگوں کو پتہ چل گیا۔ امرؤ القیس کا بھائی اسے سمجھانے کے لیے آیا۔ اس کی اس فقیرانہ زندگی پر اسے ملامت کی بہت کچھ سمجھایا۔ امرؤ القیس اس کی باتیں سنتا رہا اور آخر کار اس کے کان میں ایک بات کہہ دی۔ اس بات کا سننا تھا کہ وہ بھی شکار ہو گیا اور جاہ وسلطنت کو ٹھوکر مار کر اپنے بھائی کا راستہ اختیار کر لیا۔ یہاں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد

بسا ایں دولت از گفتار خیزد

عشق کی دولت محض دیکھنے سے ہی نہیں ملتی کبھی کبھی محبوب کا دیدار کرنے والوں سے اس کا ذکر سن کر بھی آتش عشق بھڑک اٹھتی ہے اس لیے دیدار والوں کے پاس بیٹھا کرو اور ان سے ذکر محبوب سنا کرو۔ عشق والوں کی صحبت اختیار کرو گے تو یہ آگ تمہارے اندر بھی بھڑک اٹھے گی۔

جو آگ کی خاصیت ہے وہ عشق کی خاصیت

اک خانہ بہ خانہ ہے اک سینہ بہ سینہ ہے

تم ان کی صحبت اختیار کرو جن کے اندر آتش عشق بھڑکتی ہے۔

اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡئَلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا ○ (الفرقان، ۲۵:۵۹)

وہ رحمٰن (ہے، ہی بڑی رحمت والا) پس اس کے متعلق کسی باخبر (سرور کائنات یا ان کے سچے متبعین سے) ہی پوچھو ○

اس کی خبر کسی باخبر سے پوچھو جو اتنا باخبر ہے کہ محبوب کے سوا اسے کسی کی کوئی خبر نہیں۔ تم اس کی صحبت میں بیٹھو جس کا کوچہ محبوب میں آنا جانا ہے تمہارے اندر بھی آتش عشق کے شعلے

بھڑک اٹھیں گے۔

ہم کس قدر ناشکرے ہیں؟

زندگی میں بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ہم سمجھ نہیں پاتے کہ جو شے اور جو نعمت ہمیں نصیب ہے یہ اللہ کا کتنا بڑا احسان و کرم ہے اور اس نادانی کے باعث ہم اس نعمت کی ناقدری کرتے ہیں اور جب ہم اس نعمت سے محروم کر دیئے جاتے ہیں تو اس کی قدر و قیمت کا احساس ابھرتا ہے۔

آج ہم صاف شفاف شیریں پانی پیتے ہیں اور یہ پانی ہمیں فراوانی سے حاصل ہے اس لیے ہمیں اس کی قدر اور اہمیت کا اندازہ نہیں۔ اس کی قدر و اہمیت پہاڑی علاقوں کے لوگ جانتے ہیں جو سات سات میل سے چشموں کا پانی لاتے ہیں یا پھر ریگستان کے رہنے والے جانتے ہیں جنہیں گندے جوہڑ کا پانی حاصل کرنے کے لیے بھی دور دور جانا پڑتا ہے۔ اللہ نے ہمیں صحت و تندرستی عطا کی اور ہم اس کی قدر کو بھول گئے ہمیں یہ احساس ہی نہیں رہتا کہ یہ بھی نعمت ہے لیکن جب انسان بیمار ہوتا ہے اور اطباء اسے لاعلاج قرار دے دیتے ہیں اس وقت اسے پتہ چلتا ہے کہ صحت کیا شے ہے۔ یہ راتوں کا جاگنا ہمارے اوپر اللہ کا خاص انعام ہے۔ ہم پر واجب ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں شکرانہ بھی ادا کریں اور ان نعمتوں کی عملاً قدر بھی کریں۔

۲۔ فسادِ قلب کے علاج کا دوسرا نکتہ۔۔۔ ذکرِ الٰہی

آج اللہ تعالیٰ اور محبوب رب کائنات ﷺ کے ساتھ ہمارا تعلق بندگی و غلامی ظاہراً اور صورۃً تو موجود ہے لیکن معناً اور حقیقتاً معدوم ہو چکا ہے۔ اس فسادِ قلب کے خاتمے اور اس ٹوٹے ہوئے تعلق کو دوبارہ جوڑنے کے لیے منہاج القرآن جس قرآنی منہاج پر زور دیتا ہے اس کا اولین نقطہ صحبت صلحاء ہے جب کہ اسی منہاج کا دوسرا نقطہ ذکرِ الٰہی کی کثرت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ زندگی کے سارے کیف و سرور، لذتیں، حلاوتیں اور مسرتیں اسی ذکرِ الٰہی میں پنہاں ہیں۔ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ جب اللہ جل جلالہ کے ذکر کی مجلس ہوتی ہے تو اس

ذات باری کے ہزاروں فرشتے جو زمین پر گھومتے رہتے ہیں جہاں انہیں اللہ کے ذکر کی مجلس مل جائے وہ اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

ان لله ملائكة يطوفون فى الطرق يلتمسون اهل الذكر فاذا وجدوا قوما يذكرون الله تنادوا.. فى رواية عنه فان لله ملائكة سياحين فى الارض يبتغون مجالس الذكر فاذا وجد وا مجلسا فيه ذكر قعدوا معهم وحف بعضهم بعضا باجنحتهم حتى يملاء ما بينهم وبين السماء الدنيا–

بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسے مقرر کردہ فرشتے ہیں جو اہل ذکر کی تلاش میں مختلف راستوں اور گلیوں کا چکر لگاتے ہیں۔انہیں جہاں بھی ایسی مجلس نظر آ جائے جہاں اللہ کا ذکر ہو رہا ہو تو وہ باقی فرشتوں کو آوازیں دے کر بلاتے ہیں(دوسری روایت میں ہے) بے شک اللہ تعالیٰ کے ایسے ملائکہ ہیں جو زمین میں مجالس ذکر کی تلاش میں گھومتے رہتے ہیں۔ جب انہیں کوئی ایسی مجلس ہو جائے جس میں ذکر (الٰہی) ہو رہا ہو تو وہ ان اہل مجلس کے ساتھ بیٹھ کر مجلس میں شریک ہو جاتے ہیں اور ملائکہ اپنے پروں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر پوری مجلس پر اس طرح سایہ فگن ہو جاتے ہیں کہ ان کے اور آسمان دنیا کے درمیان ساری فضا ان سے معمور ہو جاتی ہے۔

۱۔صحیح البخاری،۸۳۔کتاب الدعوات، ٦٦ باب فضل ذکر اللہ عزوجل،۵: ۲۲۳۵۳، رقم:٦٠٤٥۔

۲۔صحیح مسلم، ۴۸، کتاب الذکر و الدعاء والتوبۃ والاستغفار،۸۔ باب فضل مجالس الذکر،۴:۲۰٦۹،۲۰۷۰،رقم حدیث:۲۵۔

۳۔جامع الترمذی، ۴۹، کتاب الدعوات،

۱۳۔ باب ما جاء ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض، ۵:۹۷۵، رقم حدیث: ۳۶۰۰۔

شاہ ولی اللہؒ فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں:

میں مکہ معظّمہ میں نبی ﷺ کے مقام ولادت پر حاضر ہوا تھا۔ یہ دن آپ ﷺ کی ولادت مبارک کا دن تھا لوگ وہاں جمع تھے۔ آپ ہر درود وسلام بھیج رہے تھے اور آپ ﷺ کی ولادت پر آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے جو معجزات اور خوارق ظاہر ہوئے تھے ان کا ذکر کر رہے تھے، میں نے دیکھا کہ اس موقع پر یکبارگی انوار روشن ہوئے۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ ان انوار کو میں نے جسم کی آنکھ سے دیکھا یا روح کی آنکھ سے مشاہدہ کیا بہرحال اس معاملہ کو صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ جسم کی آنکھ اور روح کی آنکھ کے بین بین کونسی حس تھی جس سے میں نے ان انوار کو دیکھا۔ پھر میں نے ان انوار پر مزید توجہ کی تو ان فرشتوں کا فیض اثر نظر آیا جو اس قسم کے مقامات اور اس نوع کی مجالس پر موکل ہوتے ہیں۔ الغرض اس مقام پر میں نے دیکھا کہ فرشتوں کے انوار بھی انوار رحمت سے خلط ملط ہیں۔

(فیوض الحرمین، ۱۲۴۔ ط، سندھ ساگر اکادمی لاہور۔ مترجم محمد سرور)

حقیقت یہ ہے کہ مجالس ذکر میں انوار اترتے ہیں لیکن مادیت کے مارے ذہن اسی الجھن میں کھوئے رہتے ہیں کہ نامعلوم محفل میں انسان کو کچھ نصیب ہوا بھی ہے یا نہیں۔ انسانوں کی طبائع مختلف اور مزاج متنوع ہوتے ہیں بعض طبائع تاثیرات کو بہت جلد جذب کرتی ہیں اور بعض طبائع کو خاصا وقت لگ جاتا ہے۔ اس فرق کا نتیجہ وقت کے ساتھ ہی ظاہر ہوتا ہے اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ اہل اللہ کی صحبت یا ذکر الٰہی میں تاثیر نہیں۔ میں ضمانت کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ کوئی شخص خواہ اپنے دل میں کتنا ہی زنگ اور سیاہی، ذہنی پراگندگی، روح کی تاریکی غفلت اور ہوس زر جیسی آلائشیں لے کر محفل ذکر میں شریک ہو اور تسلسل کے ساتھ اہل اللہ کی صحبت کو اپنائے اور کثرت سے ذکر الٰہی میں مشغول رہے تو ممکن نہیں کہ اس کے

دل کی دنیا بدل نہ جائے اوراس کے دن رات متغیر نہ ہو جائیں۔

کیفیات حضور وسرور

بعض احباب یہ شکوہ کرتے ہیں کہ محافل ذکر میں شرکت کے باوجود لذت سے محروم رہتے ہیں اور کیفیات نصیب نہیں ہوتیں، بے شک ذکر سے لذت حاصل ہوتی ہے اور مستی کی کیفیات طاری ہوتی ہیں لیکن یہ نکتہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ کیفیات کا حاصل ہونا ذکر کا مقصود و مطلوب نہیں ہے ذکر کا مقصود صرف اس محبوب کو یاد کرنا ہے بعض لوگوں کو یہ خیال بھی آتا ہے کہ ذکر تو کیا مگر سرور ولذت سے محروم رہے شائد ذکر قبول نہیں ہوا، یہ محض مغالطہ ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ جب بندہ ایک بار اللہ کا نام لیتا ہے تو دوسری بار اس وقت تک اس کے لبوں پر اللہ کا نام نہیں آتا جب تک کہ پہلا قبول نہ ہو جائے۔ بندے کا پے در پے اللہ اللہ کرتے چلے جانا توفیق الٰہی کی دلیل ہے۔ دوسری دفعہ نام لینے کی توفیق قبولیت کے بعد ہی ملتی ہے۔ بندے کی زبان پر مولا کے ذکر کے جاری ہونے کا مطلب ہے کہ اسے بندے کا ذکر کرنا پسند آ گیا ہے۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ۔ سوتم مجھ کو یاد کرو، میں تم کو یاد رکھوں گا۔

(البقرہ ۲:۱۵۲)

جب بندہ ایک بار اللہ کا نام اپنی زبان پر لاتا ہے تو یہ ممکن نہیں کہ جواباً اللہ بھی کم از کم ایک بار اسے یاد نہ کرے جو اپنے بندوں کو دستور حیات دیتے ہوئے احسان کی روش پر چلنے کے لیے کہتا ہے وہ خود کس درجہ پاس احسان کرتا ہوگا۔

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُO بھلا احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہوسکتا ہے؟

(الرحمٰن ۵۵:۶۰)

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے وعدہ ہے کہ:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا—	جو کوئی ایک نیکی لائے گا تو اس کے لئے (بطور اجر) اس جیسی دس نیکیاں ہیں۔

(انعام، ۱۶۱:۶)

امثالھا اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ جو بندہ ایک نیکی کرے گا اس جیسی اسے دس نیکیاں عطا کی جائیں گی یہاں ایک نیکی کے دس اجر دیئے جانے کی بات بیان نہیں ہوئی بلکہ جو کچھ بندہ کرے گا وہی کچھ اسے اللہ کی طرف سے دس بار دیا جائے گا۔ امثالھا کی اس حقیقت کو ذہن میں رکھتے ہوئے جب ہماری نظر سورہ البقرہ کی اس آیت پر جاتی ہے **فاذکرونی اذکرکم** تو اللہ کا یہ احسان آشکار ہوتا ہے کہ جب بندہ ایک بار اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ ذات کریم دس بار بندے کو یاد کرتی ہے۔ جب بندہ خلوت گزیں ہو کر ایک دفعہ کہتا ہے۔

''میرے اللہ''

تو وہ جواباً دس بار کہتا ہے

''جی میرے بندے''

جب بندہ سو بار ''اللہ'' کہتا ہے تو جواباً اللہ تعالیٰ ہزار بار اس بندے کا ذکر کرتے ہیں ایسے خوش بخت انسان کے درجات کی بلندی کا عالم کیا ہوگا۔

اسی حقیقت کی طرف یہ حدیث قدسی بھی اشارہ کرتی ہے۔

عن ابی هريرة قال: قال النبی يقول الله تعالی: انا عند ظن عبدی بی، وانا معه اذا ذکرنی. فان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی	ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں۔ اگر وہ میرا ذکر تنہا کرے تو میں بھی اس کا ذکر تنہا

نفسی، وان ذکرنی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منھم۔
(صحیح البخاری، ۲:۱۱۰۱)

کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے مجلس میں یاد کرے تو میں بھی اسے مجلس میں یاد کرتا ہوں مگر میری مجلس ان بندوں کی مجلس سے بہتر ہوتی ہے (کیونکہ اس میں انبیاء و مرسلین اور شہداء کی ارواح اور ملائکہ مقربین ہوتے ہیں جن میں میں اپنے ذاکر بندے کو یاد کرتا ہوں)۔

اسی طرح باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وان اتانی یمشی اتیتہ ھرولۃ۔
(صحیح البخاری، ۲:۱۱۰۱)

جو میری طرف چل کر آتا ہے میں اس کی طرف (اپنی شان و قدرت کے مطابق) دوڑ کر جاتا ہوں۔

جس کی ذات والا کی شان کرم کا یہ عالم ہے کہ

اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا
(الزمر، ۳۹:۵۳)

بے شک اللہ سب گناہ بخش دے گا۔

وہ اپنے ذکر میں چلنے والی زبان کا ہلنا قبول نہ کرے گا؟ ایسا گمان بھی ذہن میں لانا اللہ کے بارے میں سوئے ظن ہے۔ ایسا خیال کرنے والے آدمی نے تو گویا اللہ کے وعدے کو سچا ہی نہیں جانا!

یہ تسلیم کہ انسان کے ذہن میں خیالات، وساوس، طرح طرح کی سوچوں اور الجھنوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ کبھی یہ خیال اور وسوسہ بھی آتا ہے کہ زبان گندی ہے غیبت، ظلم، جھوٹ اور گناہ سے آلودہ ہے ایسی ناپاک زبان سے ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟ ۔۔۔۔۔۔ اگرچہ زبان ناپاک ہو جاتی ہے لیکن ناپاک کو پاک کرنے کا بھی آخر کوئی طریقہ تو ہوتا ہے اگر کپڑا پلید ہو جائے

تو اسے پانی سے صاف کر کے پاک کر لیتے ہیں۔ پانی بہت سی اشیاء کی ناپاکی دھو کر انہیں پاکیزہ اور طاہر کر دیتا ہے اللہ کا ذکر تو طاہر و مطہر چشمہ صافی ہے جس سے روح کی آلائش بھی دھل جاتی ہے زبان تو پھر بھی جسم کا ایک حصہ ہے اگر کثرت سے ذکر کرتے رہیں تو سینے میں نور آ جاتا ہے دل کو تسکین ہو جاتی ہے تو خود زبان جو وسیلہ ذکر ہے کیونکر پاک نہ ہوگی، جوں جوں کثرت سے اللہ کا ذکر کرو گے اس کا حیاء بھی تو آئے گا جب انسان کو کسی سے محبت ہوتی ہے تو محبوب کا حیاء بھی دامنگیر ہوتا ہے یہ کیا بات ہوئی کہ اللہ کا ذکر بھی کرتے رہیں اور اسکی حیاء بھی نہ آئے۔

اللہ والوں کی پہچان

جنہیں محبوب کی سمجھ آ جاتی ہے اس کے حسن کے جلووں کا مشاہدہ اور پہچان حاصل ہو جاتی ہے ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ (الفاطر، ۳۵:۲۸)

اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے علم والے ہی ڈرتے ہیں۔

ان کے دل اللہ کی خشیت سے پگھل پگھل جاتے ہیں اور یہی خشیت الٰہی حیاء کا درجہ کمال ہے۔

مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ○ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ○ (النزعت، ۷۹:۴۰۔۴۱)

اور جو شخص اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور (اپنے) نفس کو (بری) خواہشات وشہوات سے باز رکھا ○ تو بے شک جنت ہی (اسکا) ٹھکانہ ہوگا ○

اور فرمایا:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ○ (الرحمٰن، ۵۵:۴۶)

اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنتیں ہیں (ایک انعام کی، ایک فضل کی) ○

جو اللہ کے حیاء کی وجہ سے برائی سے رک جائے، جس کے خباثت کی طرف اٹھتے ہوئے قدم احساس جوابدہی سے جم کر رہ جائیں، جو خواہشات نفسانی سے مچلتے ہوئے دل کو خشیت الٰہی سے اشکبار کر ڈالے، جس کی بے باک نظریں محبوب سے حیاء کے باعث چشم ندامت بن جائیں، اللہ اسے دو جنتیں عطا کرتا ہے۔

ایک ایمان افروز واقعہ

خلیفہ اسلام سیدنا فاروق اعظمؓ کے دور میں ایک جوان آدمی کو ایک عورت نے برائی کی دعوت دی۔ اس نے خشیت الٰہی سے چیخ ماری اور اسکے روح وجسد کا رشتہ منقطع ہو گیا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ تدفین کے بعد اس کی قبر پر گئے اور پوچھا کہ برائی سے بچنے والے کے لیے میرے اللہ کی طرف سے دو جنتوں کا وعدہ ہے کیا تو نے وہ وعدہ پالیا؟ اسکی قبر سے آواز آئی ''یا امیر المومنین! اللہ کا وعدہ حق تھا میں نے پالیا''۔

جب بندے کو مولا سے حیاء آ جائے تو جھوٹ، گناہ سب کچھ چھوٹ جاتا ہے جوں جوں زباں پاک ہوتی چلی جاتی ہے توں توں من اور تن پاک ہوتا جاتا ہے۔ انسان کا ضمیر اسے جھنجھوڑتا ہے، تنبیہ کرتا ہے کہ اے بندے! اب تو اللہ کا حیاء کرو۔

کیفیات ذکر سے محرومی۔۔۔۔ حقیقت حال

ذکر الٰہی کی مجالس میں بعض لوگوں کو کیفیات نصیب ہوتی ہیں، ذکر کرنے سے لذت وحلاوت ملتی ہے اور ایک خاص مرحلہ پر جا کر ان کی بند آنکھیں انوار کا نظارہ کرنے لگتی ہیں۔ کبھی اچانک ایک لمحے کے لیے ان کی آنکھوں کے سامنے انوار کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے، کبھی اللہ کے ذکر کے انوار مختلف سمتوں سے مختلف رنگوں میں اٹھتے ہیں، سبز، نیلی، سرخی مائل، پیلی اور سفید روشنی مختلف سمتوں سے نمودار ہوتی ہے۔ یہ روشنیاں اوپر نیچے، دائیں بائیں، آگے پیچھے ہر طرف لہراتی نظر آتی ہیں، کبھی یہ روشنیاں سینے سے بھی پھوٹتی ہیں۔ طبائع کے اختلاف کے باعث بعض لوگوں کو یہ کیفیتیں ہفتوں میں نظر آنے لگ جاتی ہیں، کچھ لوگوں کو

مہینے اور سال لگ جاتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ساری زندگی یہ روشنیاں نہیں دیکھ پاتے۔ جو لوگ اس سفر محبت کی ابتداء میں کیفیات کی لذت اور انوار کے نظارے سے محروم ہوتے ہیں وہ گھبرا جاتے ہیں کہ نہ معلوم کیا وجہ ہے کہ ذکر کرنے کے باوجود کیفیات سے محرومی ہے۔ دراصل ذکر سے کیفیات و اثرات تو بہرطور پیدا ہوتے ہیں اور یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جائے اور اثرات پیدا نہ ہوں۔ لیکن لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جنہیں ذکر کر کے اثرات و کیفیات سے سرشار کر دیا جاتا ہے اور دوسرے وہ جنہیں مصلحتاً ان کیفیات سے محروم رکھا جاتا ہے۔

کیفیات و مشاہدات راہ سلوک کی نورانی گرد ہیں

بعض لوگ مضبوط روحانی اعصاب کے مالک ہوتے ہیں ان کا ظرف وسیع اور ضبط قوی ہوتا ہے جب ان کے اوپر ذکر کے انوار آشکار ہوتے ہیں اور کیفیات میسر آتی ہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کیفیات ذکر کا پرتو ہیں وہ ان کیفیات پر دھیان نہیں کرتے اور نہ ہی ان میں کھو جاتے ہیں کیونکہ اگر انسان کیفیات میں کھو جائے تو راستہ بھول جاتا ہے۔ وہ کیفیات کو کمال نہیں سمجھتے۔ کیفیات سے حظ ضرور لیتے ہیں لیکن ان کی توجہ یادِ محبوب ہی پر مرکوز ہوتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ راستے سے نہیں ہٹتے۔ کیفیات تو ذکر کی نورانی گرد ہیں اور سالک کا مقصد منزل کو پالینا ہوتا ہے نہ کہ گرد راہ میں الجھ کر رہ جانا۔ کیفیات تو منزل عشق کے راستے میں آنے والے خوبصورت اور دلفریب مناظر ہیں، جس طرح گاڑی چل رہی ہو تو دائیں بائیں دیہات آبادیاں، پہاڑوں اور جھیلوں کے مناظر دامن دل کو کھینچتے ہیں، اسی طرح جب انسان اللہ کی محبت سے سرشار ہو کر ذکر کرتا ہے تو محبت کے اس سفر میں تجلیات و انوار نظر آتے ہیں، کیفیات کی سرشاری ملتی ہے اور لطائف کھلتے چلے جاتے ہیں۔ صوفیاء کے معمولات میں سے ہے کہ توجہ کر کے ذکر کا اثر مرید کے قلب و باطن پر مرتب کرتے ہیں اور اس کے لطائف خمسہ (لطیفہ قلب، لطیفہ روح، لطیفہ خفی، لطیفہ اخفی اور لطیفہ سر) کھلتے چلے جاتے ہیں۔ ان روحانی مناظر سے

کیفیات اور انوار ملتے ہیں۔ بہت سارے لوگ کہ وہ ان کیفیات و مناظر میں کھو کر رہ جاتے ہیں۔بعض صرف لطائف میں کھو جاتے ہیں اور انہیں کمال سمجھ لیتے ہیں، ان کے دل میں خیال آنے لگتا ہے کہ مجھے اللہ کی ذاتی یا صفاتی تجلی مل گئی، مجھے دیدار نصیب ہوگیا ہے، نور حق میری آنکھوں کے سامنے چمک اٹھا اور مجھے کشف ہوگیا ہے۔ دراصل یہ لوگ گرد راہ ہی میں الجھے ہوتے ہیں ان کا یہ زعم باطل کہ میں نے منزل کو پالیا، منزل تو ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوتی ہے اور یہ سفر ہی میں رہ جاتے ہیں۔

یہ جلوہ کہیں حسین تر ہے

ایسے روحانی ضبط اور مضبوط روحانی اعصاب کے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جنہیں سب کچھ نظر بھی آجائے تو گرد راہ میں کھو جانے کی بجائے جانب منزل رواں دواں رہیں۔ ننانوے فیصد لوگ ایسے ہوتے ہیں جو صرف کثرت ذکر کے باعث پیدا ہونے والی کیفیتوں میں کھو جاتے ہیں اور یہ زعم پیدا ہونے لگتا ہے کہ ہمیں ولایت مل گئی ہم ولی ہو گئے۔ حالانکہ اگر ولایت ہوتی تو سنبھال بھی لیتی لیکن یہ تو محض مغالطہ تھا۔جن لوگوں کی نسبت کسی کامل شیخ، مربی یا استاذ سے ہوتی ہے وہ ذکر کراتے وقت جب دیکھتا ہے کہ اس سالک راہ میں اتنی ہمت نہیں کہ اسے کیفیات اور انوار کے مشاہدہ کے امتحان میں ڈالا جائے تو وہ گاڑی چلتے ہی کھڑکیوں کے پردے گرادیتا ہے۔گاڑی اب بھی چل رہی ہوتی ہے، مناظر گزر رہے ہوتے ہیں، کیفیات پیدا ہورہی ہوتی ہیں مگر سب کچھ محسوس ہونے سے روک دیا جاتا ہے ذاکر سلامتی کے ساتھ دائیں یا بائیں کسی منظر کو دیکھے اور اس میں کھوئے بغیر آرام سے سفر کرتا چلا جاتا ہے۔اور جب سفر کے مرحلے ثابت قدمی سے طے کرنے کے بعد وہ منزل پر پہنچتا ہے تو ادھر وہ منزل پر قدم رکھتا ہے اور ادھر شیخ کامل تمام پردے اٹھا دیتا ہے اور اب اسے راستے کے حسین مناظر سے بھی بڑھ کر اس چشمہ حسن کے نظارے کا موقع ملتا ہے جس پر خود حسن بھی نازاں ہے۔اسی منبع حسن سے سارے

حسن پھوٹ رہے ہیں یہ سب کچھ دیکھ کرا سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کیفیات اور مناظر بے شک حسین تھے مگر یہ جلوہ کہیں حسین تر ہے۔ کیفیات آزمائش میں ڈال دیتی ہیں۔ اللہ کا ذکر کرنے والے کسی نظارے کی طلب نہیں کرتے بلکہ صرف مولا کی طلب کرتے ہیں اگر مشاہدات و کیفیات خود بخود مل جائیں تو الحمد للہ، لطائف کھل جائیں تو درست، لیکن انکی توجہ صرف مولا کی طرف ہوتی ہے۔

ایک خوبصورت تمثیل

جب ہم دنیا میں کوئی کارخانہ قائم کرتے ہیں تو مقصود کسی خاص قسم کی پیدوار۔ (Production) ہوتا ہے جبکہ اس چیز کی (Production) کے ساتھ کچھ اضافی پیداوار (By Products) خود بخود تیار ہوجاتی ہے۔ اسے بیچ کر بھی کچھ پیسے کما لیے جاتے ہیں لیکن اصل مقصود تو پیداوار (Production) ہی ہوتی ہے جسکے حصول کے لیے کارخانہ لگایا گیا۔ اسی طرح دل کی فیکٹری کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ دل ذکر سے لگتا لگتا مذکور سے لگ جائے جب کہ انوار و کیفیات کی حیثیت تو محض By Products کی ہوتی ہے یہ مقصود اصلی نہیں ہوا کرتیں۔

مولانا روم کا بیان کردہ واقعہ

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجنوں دریا کے کنارے ریت پر انگلیوں سے لیلیٰ کا نام لکھتا تھا، مٹا دیتا تھا، لکھتا تھا مٹا دیتا تھا۔ کسی آدمی کا پاس سے گزر ہوا تو اس نے پوچھا کیا کر رہے ہو؟ تو جواب ملا:

گفت مشق نام لیلیٰ می کنم
خاطر خود را تسلی می دھم

یعنی میرا مقصد تو صرف دل کو تسلی اور اطمینان دینا ہے اللہ کا ذکر کرنے والوں کا مقصد

بھی یادِ محبوب سے دل کو تسلی اور تسکین دینا ہی ہوتا ہے۔

اَلَآ بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ O	جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو
(الرعد،۱۳:۲۸)	اطمینان نصیب ہوتا ہے O

انہیں کسی سے کچھ غرض نہیں ہوتی۔ ان کا مقصدِ حیات صرف یہ ہوتا ہے کہ زبان پر محبوب کا نام ہو اور اسے یہ نام لینا اس قدر پسند آ جائے کہ انسان پر وہ لمحہ آئے کہ اس کا دل سب سے کٹ کر صرف اسی کا ہو جائے اور پھر دل بھی اسی کی یاد کی مشق میں مست رہے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا O	اور آپ اپنے رب کا ذکر کرتے رہیے اور سب کو چھوڑ (سب سے الگ ہو کر) کر اسی
(المزمل،۷۳:۸)	کے ہو جایئے۔O

پھر ان کے زبان و دل ''گفت مشق نام لیلی می کنم'' کی کیفیت سے کہیں آگے بڑھ جاتے ہیں اور ان کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ ''ہتھ کار ولے تے دل یار ولے''

رِجَالٌ لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ-	ایسے مرد (مومن) کہ جنکو سوداگری اور خرید وفروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں
(النور،۲۴:۳۷)	کرتی۔

ان کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ کے ذکر سے وابستہ ہو جاتا ہے اور وہ محبوب کی اس فرمائش کو نوید وصال سمجھتے ہوئے ذکر میں محو رہتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا O	اے ایمان والو! اللہ کو بہت زیادہ یاد کیا کروO
(الاحزاب،۳۳:۴۱)	

پھر وہ چشم نم کے ساتھ اس قدر جم جم کے ذکر کرتے ہیں کہ محبوب کی خواہش شدید ترین ہوتی چلی جاتی ہے اور ان کی کیفیات کا عالم اس شعر کا جامہ پہن لیتا ہے۔

اے ابرِ کرم ذرا تھم کے برس اتنا نہ برس کہ وہ آ نہ سکیں
وہ آ جائیں تو جم کے برس اور اتنا برس کہ وہ جا نہ سکیں

جب انسان کثرت سے ذکر کرتا چلا جاتا ہے تو پھر یہ ذکر اس کی زبان سے گزرتا ہوا اس کے قلب وروح، نس نس اور رگ وریشہ میں سما جاتا ہے اور اس کے اندر خون کی طرح سرایت کرنے لگتا ہے اور پھر وہ کیفیات نصیب ہو جاتی ہیں کہ اس ذکر کے سبب سے دیدار نصیب ہو جاتا ہے اور پھر ہر راہ کوچہ محبوب ہی کی طرف جاتی نظر آتی ہے۔

عش شور انگیز را ہرجادہ درکوئے تو برد
برتلاش خود چہ می ناز دکہ راہ سوئے تو برد

اگر ہم اللہ سے ٹوٹے ہوئے تعلق کو جوڑنے کی سبیل کرنا چاہتے ہیں تو اس حقیقت کو نگاہ میں رکھنا چاہیے کہ اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھنے سے اللہ یاد آتا ہے اور اہل اللہ کے زیر توجہ اس کا ذکر ذاکر و مذکور کے مابین وہ بہانہ اور رابطہ بن جاتا ہے کہ ٹوٹا ہوا تعلق پھر سے جڑ جاتا ہے پھر تعلق کی کٹی ہوئی ڈوری جڑ جاتی ہے پھر اس کے گلی کوچوں کے ٹھنڈے جھونکے راحت جاں بن جاتے ہیں، اس کی یاد تازہ ہوا بن کر دلوں کے غنچے کھلانے لگتی ہے۔ یہ ذکر نگاہوں کے پردے اٹھا دیتا ہے اور محبوب کے صفاتی حسن کے جلوے نظارہ سوز ہوتے ہیں پھر ادھر ذکر ہوتا ہے اور ادھر دیدار محبوب کی دولت نصیب ہوتی ہے یہاں یہ آیت قرآنی بطور خاص قابل غور ہے۔

الذین کَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِىْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِىْ۔	ان کی آنکھوں پر میرے ذکر (کے انوار) سے پردہ پڑا ہوا ہے (یعنی وہ مشاہدہ سے محروم ہیں)۔
(الکہف، ۱۸:۱۰۱)	

اس کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ کچھ وہ بھی ہیں کہ ذکر کرتے کرتے ان کی آنکھوں کے پردے اٹھ جاتے ہیں اور جب آنکھوں کے پردے اٹھ جائیں اور حسن مطلق کا نظارہ آنکھوں کے سامنے ہو تو پھر ذاکر اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے یہی وہ کیفیت ہے جسے:

وَاذْکُرْ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیْتَ— اور اپنے رب کا ذکر کیا کریں جب آپ بھول جائیں۔ (الکہف، ۱۸:۲۴)

سے تعبیر کیا گیا ہے گویا بندے سے کہہ دیا گیا کہ اس کے سوا سب کچھ بھول جا، سب سے کٹ کر اس سے جڑ جا

عشق را با حی و با قیوم دار
عشق با مردہ نہ باشد پائیدار

اس سے عشق کر جو خود بھی زندہ ہے اور زندہ کر دیتا ہے جو خود قائم ہے اور قائم کر دیتا ہے جو اس میں فنا ہو جائے وہ اسے باقی کر دیتا ہے اگر تو نے اسے چھوڑ کر دنیا اور اہل دنیا سے عشق کیا تو وہ خود مردار ہیں ان کی محبت بھی مردار ہے اس دنیا کے سب حسن مردہ ہو جانے والے ہیں تو اسی سے عشق کر اور اتنا عشق کر کہ تجھے دنیا سے کچھ رغبت نہ رہ جائے۔

یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتان وہم وگمان لا الہ الا اللہ

انسان کا دل پیانو کے ساز کی مانند ہے جس کے کئی تار ہوتے ہیں۔ کوئی تار تلاوت اور ذکر سے چھڑ جاتا ہے، کوئی درود پاک اور صلوۃ وسلام سے چھڑتا ہے، کوئی نعت سن کر چھڑتا ہے کوئی کثرت نوافل سے چھڑتا ہے۔ تار کوئی بھی چھڑے، ہمارا مقصد تو روح میں ساز پیدا کرنا ہے۔ ہر تار کی آواز جدا ہوتی ہے اور جب اسے مسلسل بجانا شروع کر دیں تو ساز بن جاتا ہے اور جب ساز بن جائے تو پھر اسی سے سوز پیدا ہو جاتا ہے۔ کثرت ذکر سے تمام تار بیک وقت چھڑ جاتے ہیں۔ جب تمام تار چھڑتے ہیں تو صدا بنتی ہے اور پھر صدا سے ترنگ پیدا ہوتی ہے۔ ہمارا مقصد اس ترنگ کے ذریعے قلب و باطن میں اس کی محبت کا ساز بجا دینا اور وہ کیفیت سوز وساز طاری کر دینا ہے جو حسن محبوب سے محو تقاضا ہوتی ہے کہ:

گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر
ہوش و خرد شکار کر قلب و نظر شکار کر

مسلمانو! اگر مقصود کو پانا ہے تو تاروں اور صداؤں کا جھگڑا نہ کیا کرو۔ سوز و ساز کی بات کرو۔ بحمداللہ منہاج القرآن نے تاروں اور صداؤں کے جھگڑے سے بالاتر ہو کر تمام تار جمع کر کے ساز میں جڑ دیئے ہیں۔ اب جس کے جو تار ہیں چھڑ جائیں گے پھر یہ سب تار بج اٹھیں گے، دل تڑپیں گے، آنکھیں پرنم ہوں گی۔ کیفیتیں، لذتیں اور حلاوتیں نصیب ہوں گی اور پھر اس اجتماعی ساز سے قلب و باطن کی دنیا میں انقلاب آ جائے گا۔

اے مرد مومن! اگر تو چاہے کہ تیرے ٹوٹے ہوئے تعلق کی ڈوری پھر اللہ سے جڑ جائے تو کثرت سے اہل اللہ کی صحبتوں کا فیض اٹھایا کر اور ذکر الٰہی سے دل کے تاروں کو روزانہ چھیڑ تا رہ، اس کی محبت میں ڈوب کر اس کا ذکر کرتا رہ تو دیکھے گا کہ تعلق کی کٹی ہوئی ڈوری خود بخود جڑتی چلی جائے گی۔

باب چہارم

فسادِ قلب کی دوسری صورت:
حضور ﷺ سے تعلق غلامی
کا انقطاع اور اس کے اسباب

دور حاضر میں فساد قلب کی تشخیص کے ضمن میں یہ حقیقت آشکار ہے کہ فساد قلب کا یہ المیہ دو علتوں کے باعث ظہور پذیر ہوا۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارے تعلق بندگی کا صورۃ معلوم اور حقیقتاً ومعناً معدوم ومفقود ہو جانا۔

۲۔ حضور آقائے دو جہاں ﷺ کے ساتھ تعلق غلامی اور تعلق محبت کا قلباً منقطع ہو جانا۔

فساد قلب کی پہلی علت کی حقیقت واضح کرنے کے بعد ناگزیر ہے کہ علت ثانی کی حقیقت اور افراد امت کی شخصیتوں پر اسکے اثرات بد کا جائزہ لیا جائے تاکہ مرض کی شدت اور ہولناکی احساس زیاں کو جنم دے اور امت فکر علاج کرتے ہوئے علاج کی طرف پیش رفت کرے۔

آج ملی سطح پر ہمارے فتنہ قلب کی علت ثانی یہ ہے کہ اگرچہ حضور ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ ہمارا تعلق غلامی ظاہراً اور صورۃ موجود ہے لیکن حقیقتاً معناً اور قلبًا یہ تعلق ٹوٹ چکا ہے اب یہ تعلق حقیقی معنوی اور قلبی ہونے کی بجائے فقط قالی، استدلالی، کلامی اور محض ذہنی ہے جو جذبہ و شیفتگی سے محروم محض نقلی وعقلی دلائل سے ثابت کیا جاتا ہے آج یہ تعلق قال میں موجود ہے مگر حال میں معدوم جب کہ فساد قلب کا علاج فقط یہ ہے کہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ سے محبت کی تاثیرات سے یہ تعلق خود ہمارا حال بن جائے، ہمیں وہ ایمانی، وجدانی، روحی اور سری کیف نصیب ہو جائے کہ سینے اور روحیں اس تعلق کی برکت سے شاد و آباد اور منور ہو جائیں۔ یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ سے تعلق بندگی ٹوٹ جانے کے دو اسباب آشکار ہوئے یعنی:

نفسانیت اور مادیت

تو ذات رسالت مآب ﷺ سے تعلق غلامی منقطع ہونے کے بھی دو ہی اسباب ہیں۔

حضور ﷺ سے تعلق غلامی کے انقطاع کے اسباب

۱۔ دنیاداری کے پردے میں بپا ہونے والا فتنہ

۲۔ دین داری کے پردے میں بپا ہونے والا فتنہ

ان ہر دو فتنوں کی وضاحت سے پیشتر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ سے تعلق غلامی کی حقیقت واضح کر دی جائے۔ دراصل غلام وہ ہوتا ہے جو کسی کے ہاتھ بک گیا ہو یا اس نے خود کو اس طرح کسی کے سپرد کر دیا ہو کہ خود سپردگی کے بعد وہ اپنی ذات، حال، معاملات، سونے، جاگنے، اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے میں اپنی مرضی کو کام میں نہ لا سکے کیونکہ غلامی کی حقیقت ہی یہ ہے کہ غلام کی ہر شے اس کے مالک کی ہو جائے۔ اسکی جان، اس کے رشتے ناطے، اس کا سوچنا، اس کا ہنسنا رونا، جینا مرنا، آرام وجد وجہد اور عزت وآبرو سب کچھ اس کے مالک کا ہو جائے اور حضور اکرم ﷺ سے ہمارا تعلق غلامی اس وقت متحقق ہو سکتا ہے جب آپ ﷺ کی ذات گرامی سے ہماری نسبت اور رشتے کو وہ استواری اور کیفیت نصیب ہو کہ جو دیکھے اسے یقین ہو جائے کہ یہ بک گئے ہیں اور جب یہ بک جانا نصیب ہو جائے تو غبار راہ کو فروغ وادی سینا نصیب ہو جاتا ہے۔

جب تک بکے نہ تھے کوئی پوچھتا نہ تھا

تم نے خرید کر ہمیں انمول کر دیا!

جو بک جاتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور حضور اکرم ﷺ کے عشق میں وہ کیفیت جنون حاصل ہو جاتی ہے کہ فرزانگی رشک کرتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے ایسے مجنوں بن جاتے ہیں کہ دنیا کی ہوش سے بے پرواہ اور مست و بے خود ہو کر انہیں صرف محبوب کی ذات کا ہوش رہ جاتا ہے کیونکہ

محرم ایں ہوش جز بے ہوش نیست

انہیں ذات محبوب سے وہ الفت محبت اور شیفتگی ہو جاتی ہے کہ انہیں محبوب کی خبر

نصیب ہو جاتی ہے اور پھر ان کی کوئی خبر نہیں آتی۔

کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

ان کے لیے یادِ محبوب وہ عبادت بن جاتی ہے جس کا دوام و تسلسل ان کے لیے راحت جاں ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ اویس قرنیؓ کے احوال و سوانح سے اس کیفیت عشق و محبت کو سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ اور اسکے پیارے رسول معظم ﷺ کے عشق میں اس قدر مست و بے خود رہتے کہ لوگ آپ کو مجنوں، دیوانہ اور پاگل خیال کرتے بچے آپ پر سنگ زنی کرتے اور ہنستے۔ ایک دن آپ بازار سے گزر رہے تھے، بچے پتھر مار رہے تھے، بڑے پتھر لگنے سے خون زیادہ نکل آتا اور وضوٹوٹ جاتا تھا، آپؓ نے بچوں کو اپنے پاس بلایا اور بڑے پیار سے فرمانے لگے:

''میں تمہارے پتھر مارنے پر شکایت نہیں کرتا لیکن یہ درخواست کرتا ہوں کہ چھوٹے چھوٹے پتھر مارا کرو بڑے پتھر نہ مارا کرو''۔

بچوں نے کہا۔ ابھی سے گھبرا گئے۔ بس یہی دعویٰ عشق تھا؟ بڑے پتھر سہنے کا بھی حوصلہ نہیں رکھتے؟ آپ نے فرمایا: میں گھبرا کر یہ بات نہیں کہتا بلکہ اس لیے کہتا ہوں کہ جب بڑا پتھر لگتا ہے تو خون زیادہ بہتا ہے اور وضوٹوٹ جاتا ہے میں چاہتا ہوں کہ یادِ محبوب میں تسلسل رہے، میں ہمہ وقت باوضو بھی رہوں اور سلسلہ یادِ محبوب بھی قائم رہے۔ یہ اہل عشق کے احوال ہیں جن کے لیے یادِ محبوب سے غافل ہو جانا اور اس کا تسلسل ٹوٹ جانا تن سے جان نکل جانے کے مترادف ہے جن کا مسلک یہ ہوتا ہے کہ:

جو دم غافل سو دم کافر

لمحہ فکریہ یہ ہے کہ آج اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول معظم ﷺ سے ہمارے تعلق کی خالی خولی اور خشک کیفیات عظمیٰ سے کسی درجہ میں کوئی نسبت حاصل ہے؟ اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے (الا ماشاء اللہ) تو ہمیں قلب و نظر کی اس ویرانی کے اسباب کا کھوج لگانا

چاہیے۔حضور اکرم ﷺ سے تعلق غلامی منقطع ہوجانے کی بنیاد جن دوفتنوں پر ہے اب ان کی گہرائی و گیرائی کا احساس کرنا تقاضائے ایمان بن چکا ہے۔

فتنۂ اولیٰ ۔۔۔عقل پرستی

آج کا انسان سائنسی، علمی، فکری اور اجتہادی دور میں زندگی گزار رہا ہے۔ مادی تہذیب وثقافت، نفسانی رجحانات ومیلانات، جدید فلسفیانہ افکار ونظریات اور وحی الٰہی اور تعلیم نبوی ﷺ سے خالی نظام تعلیم نے آج کے انسان کے اندازفکر، جہالت، شعور اور ذہنی رویوں کی پرورش و پرداخت اور تشکیل وتجسیم کی ہے۔ مادی رجحانات اور الحادی افکار کے زیر اثر آج کا انسان نظریات وافکار کے حوالے سے خودکو بالغ شعور کا حامل سمجھتا ہے۔آج جب انسان نے دنیوی امور اور کاروباری وتجارتی معاملات میں اپنی کامیابی اور فلاح کی راہیں خود نکالیں۔ جدید علوم وفنون کے اعتبار سے اس کے شعور نے ترقی کی اور اس نے زندگی کے مختلف شعبوں کے ارتقاء کا جائزہ لیا تو اسے معلوم ہوا کہ انسانی عقل ہر دور میں ارتقاء پذیر رہی ہے۔تاریخ کے قدیم ادوار کو دیکھا تو وہ اسے علمی وتہذیبی طور پر تیرہ وتار نظر آئے۔اس نے جانا کہ تاریخ انسانی میں جتنا اوپر جائیں تاریکی گہری ہوتی چلی جاتی ہے اور تاریخ کی نبض پر ہاتھ رکھ کر دیکھیں تو محسوس ہوتا ہے کہ جوں جوں وقت گزرتا گیا انسانی فکر وشعور نے ترقی کی۔ جہالت آہستہ آہستہ دور ہوتی چلی گئی اور علم وشعور کی روشنی پھیلتی چلی گئی۔اس نے محسوس کیا کہ اب وہ تاریک ادوار سے نکل کر منور زمانوں میں آچکا ہے اور تاریکی سے روشنی تک کا یہ تمام سفر انسان نے اپنے عقل و شعور سے طے کیا ہے۔

فکر انسانی کی خطرناک لغزش

اس اندازفکر کے باعث رفتہ رفتہ یہ اندازفکر رواج پانے لگا کہ آج کے دور میں انسان کو انفرادی واجتماعی زندگی بہترین اور کامیاب انداز میں گزارنے کے لیے کسی نبوی ہدایت یا تعلیم کی کوئی احتیاج نہیں بلکہ آج کے دور میں سینکڑوں برس قبل کی باتیں کرنا تیز رفتار ہوائی

جہازوں کے مقابلے میں پیدل سفر کے فضائل بیان کرنے کا مضحکہ خیز عمل ہے۔ یہی سبب ہے کہ آج مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ یہ اندازِ فکر اختیار کر چکا ہے اور جب ان سے قرآن و حدیث اور تعلیم نبوی ﷺ کی بات کی جاتی ہے تو وہ ہنس کے ٹال دیتے ہیں کہ

''نئے زمانے میں آپ ہمیں پرانی باتیں سنا رہے ہیں''

آج یہ فتنۂ عقلیت ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں برپا ہے اور اسے ایک سازش کے تحت اس قوم کے نوجوانوں کے ذہنوں میں راسخ کیا جا رہا ہے۔ اس فتنے کی دوسری یلغار اس طبقے میں ہے جہاں مال و دولت کی ریل پیل ہے، جن لوگوں نے ہوائی جہازوں کے ذریعے پوری دنیا میں جدید دور کی سائنسی ترقی کے احوال کا مشاہدہ بچشم سر کر لیا ہے، ان کا یہ نظریہ بن چکا ہے کہ آج کا انسان عقل و خرد اور فکر و شعور کے ان ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے کہ وہ کسی قدیم تعلیم اور ہدایت کا محتاج نہیں رہا۔ جب جدید مادی تہذیب کے گہرے اثرات کے باعث گمراہی اور شیطنت دل و دماغ میں بھر گئی اور انسان نے سمجھ لیا کہ میں کسی نبوی تعلیم کا محتاج اور دریوزہ گر نہیں ہوں تو انبیاء علیہم السلام کی روشن تعلیمات کے بارے میں یہ نقطۂ نظر رائج ہو گیا کہ وہ اپنے زمانے کی گمراہیوں کی اصلاح کرنے والے باشعور اور صاحب علم لوگ تھے لیکن اب چونکہ علم و شعور کی وسعتوں کا کوئی احاطہ نہیں اور زمانہ اس دور کے علم و شعور سے کہیں آگے جا چکا ہے اس لیے اب ہمارے لئے وہ علم و شعور از کار رفتہ ہے۔ جب یہ ذہن پیدا ہوا تو ایمان و اعتقاد متزلزل ہو گئے۔ ذات رسالت مآب ﷺ اور دین کی عظمت تو دلوں سے جاتی رہی۔ اس ذہنیت کے پیدا ہو جانے کا منطقی اور نفسیاتی نتیجہ یہ نکلا کہ جس شخص نے بھی خود کو حضور ﷺ کی ہدایت اور نبوت سے عطا ہونے والی روشنی کا محتاج نہ سمجھا وہ خود لاشعوری طور پر عملاً منصب نبوت میں شریک و سہیم بن بیٹھا، جب اس نے سوچا کہ جو کچھ وہ باشعور لوگ یعنی انبیاء علیہم السلام کرتے تھے وہی کچھ آج ہم کر رہے ہیں تو اسوہ پاک کی عظمت اس کے دل سے مٹتی چلی گئی جس کے نتیجے میں حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے رشتہ غلامی کٹ کر رہ گیا۔

یہ امت مسلمہ کا المیہ ہے کہ آج بے شمار تعلیم یافتہ افراد کے اندر عقل پرستی کا یہ زہر پوری طرح سرایت کر چکا ہے۔ ہم نے یونیورسٹی کی سطح پر ایسے اساتذہ دیکھے جو محض اس وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بات کرنے پر مجبور تھے کہ وہ مسلمانوں کے ملک میں رہتے ہیں جب کہ نجی محفلوں میں وہ مذہب کو غیر ضروری تصور کرتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کو مطاع مطلق تصور کرنے کو احمقانہ خیال قرار دیتے ہیں اور جب کہ ان کے سامنے اسلام کے تاقیامت ضامن فلاح ہونے کی بات کی جاتی ہے تو وہ یہ کہہ کر ہنسی میں اڑا دیتے ہیں کہ ابھی دور جہالت کے کچھ اثرات ذہنوں پر چلے آ رہے ہیں۔ مذہب محض دور جہالت کی یادگاروں اور علامتوں میں سے ایک یادگار اور علامت ہے جوں جوں علم وشعور اور تہذیب عصر حاضر کی روشنی پھیلتی جائے گی مذہب کی گرفت کمزور ہوتی چلی جائے گی۔ بہت سے لوگ ایسے بھی دیکھے جو احمقانہ جرات کے ساتھ اپنی یہ ذہنی پراگندگی، انتشار اور فکری غلاظت اگلتے بھی رہتے ہیں اور بے شمار ایسے ہیں جن کے اذہان ایسے افکار وخیالات سے متعفن ہیں مگر وہ اظہار کی جرات نہیں رکھتے۔ مدعا یہ ہے کہ جب امت کے ایک خاص تعلیم یافتہ طبقے میں یہ نام نہاد عقلیت پیدا ہوئی تو حضور ﷺ سے تعلق محبت وغلامی کٹ گیا اور اس طرح کٹا کہ

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

فتنہ ثانیہ۔۔۔خود ساختہ تصور رسالت پر اصرار

جہاں تک فتنہ اولیٰ کا تعلق ہے اس کی حقیقت اور اثرات کو صاف سمجھ میں آ جاتے ہیں جبکہ یہ دوسرا فتنہ جو دین اور مذہب کے پردے میں بپا ہوا اور زیادہ غور طلب اور تحقیق طلب ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت اہم اور توجہ طلب بھی ہے کیونکہ یہ فتنہ ایسا میٹھا زہر ہے کہ جو مذہب اور دینداری کے نام پر آدمی کے ایمان کی رگوں میں سرایت کرتا چلا جاتا ہے اور بڑے بڑے سمجھدار لوگوں کو بھی عرصہ دراز تک اس زہر کے اثر اور ہلاکت کا احساس تک نہیں ہوتا کیونکہ دین کے تمام شعائر اور عبادات و معمولات مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوۃ، ذکر، تبلیغ، توکل اور بندگی اور دیگر تمام عنوانات جوں کے توں موجود رہتے ہیں اور انہیں عنوانات کے پس منظر میں وہ فتنہ پروان چڑھتا چلا جاتا ہے۔

فتنہ کی حقیقت

قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر حضور اکرم ﷺ کا ذکر پاک متنوع اور نوبہ نو حیثیتوں سے آیا ہے جن میں سے ایک حیثیت آپ ﷺ کا مثل بشر ہونا بھی ہے۔

فتنہ یوں ابھرا کہ آپ کی دیگر تمام حیثیات سے صرف نظر کر کے صرف مثلیت وبشریت پر سارا زور دیا جانے لگا۔جس کے باعث عام مذہبی ذہنوں میں حضور ﷺ کے ہمارے جیسے ہونے کا گمراہ کن تصور پیدا ہوتا چلا گیا اور یوں ذات رسالت مآب ﷺ کی عظمتیں دلوں سے محو ہو گئیں اور انجام کار آپ ﷺ کی ذات گرامی سے محبت اور غلامی کا رشتہ منقطع ہوتا چلا گیا۔

حقیقت اور تھی کچھ۔۔۔۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی شخصیت کو عظمت شان کے اعتبار سے دو جہتیں اور حیثیتیں عطا فرمائیں جن پر قرآن حکیم شاہد ناطق ہے:

۱۔شان عبدیت ۲۔شان محبوبیت وافضلیت

جب آپ اپنی زبان اقدس سے اپنا تعارف کراتے ہیں تو شان عبدیت جھلکتی ہے۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ـ (حم السجدہ، ۴۱:۶)	آپ فرما دیجئے میں بھی تمہاری طرح کا آدمی ہوں (بظاہر آدمی ہونے میں تمہارے ہی جیسا ہوں)۔

گویا فقط نفس بشریت میں میں تمہارے مماثل ہوں اور کفار و مشرکین دیکھتے ہیں تو ان کی نظریں بھی صرف جسد بشری تک ہی جاسکتی ہیں۔

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ـ (یسن، ۳۶:۱۵)	وہ بولے تم تو بس ہمارے ہی طرح ایک انسان ہو۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضور ﷺ کی مثلیت و بشریت برحق ہے اور مثلیت و بشریت خود حضور ﷺ کے مقصد بعثت کا بھی تقاضا تھا کیونکہ آپ کو انسانوں تک اللہ تعالیٰ کے منشاء و فرمان کا ابلاغ کرنا تھا اور یہ ابلاغ محض قولی نہ تھا فعلی بھی تھا، نظریاتی نہ تھا عملی بھی تھا، صرف عرشی نہ تھا فرشی بھی تھا اس لیے آپ کو بظاہر عام انسانوں کے مماثل بنانا آپ کے مقصد بعثت کا اولین تقاضا تھا۔ آپ کو بشریت کے خواص، عادات، صفات اور تقاضے عطا کر دیئے گئے جسے دیکھ کر انسانی فکر نے ٹھوکر کھائی اور دیکھنے والوں نے جب دیکھا کہ نبی ﷺ ہماری طرح کھاتے پیتے بھی ہیں، سوتے جاگتے بھی ہیں، شادیاں بھی کرتے ہیں، بھوک پیاس بھی لگتی ہے، زخمی بھی ہوتے ہیں خون بھی بہتا ہے تو انہیں گمان گزرا کہ نبی علیہ السلام تو ہماری ہی طرح ہیں۔

المیہ یہ ہوا کہ شان عبدیت کے تحت مثلیت و بشریت کا پہلو تو سامنے رہا اور اس پر خوب زور دیا گیا لیکن شان افضلیت و محبوبیت نگاہوں سے اوجھل ہوگئی اور آپ ﷺ کے اوصاف و کمالات نبوت سے صرف نظر کر لیا گیا حالانکہ قرآن حکیم بڑے روشن انداز میں اس شان افضلیت و محبوبیت کا اظہار کرتا ہے۔

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۘ۔

یہ سب رسول (جو ہم نے مبعوث فرمائے) ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ (البقرہ، ۲:۲۵۳)

گویا تمام رسول باہم ایک ہی مرتبہ کے نہیں بلکہ

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهَ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ

ان میں سے کسی سے اللہ نے (براہ راست) کلام فرمایا اور کسی کو درجات میں (سب پر) فوقیت دی۔ (البقرہ، ۲:۲۵۳)

اور انبیاء علیہم السلام میں حضور آقائے دوجہاں ﷺ کی شان اقدس کئی پہلوؤں سے افضلیت وفوقیت کی حامل ہے۔ آپ کو دیگر انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں ذاتی اور منصبی دونوں اعتبارات سے امتیاز وفضیلت حاصل ہے۔

حضورا کرم ﷺ کی ذاتی فضیلت

بغیر کسی مقابلہ وموازنہ کے یہ حقیقت ہے کہ محبوب حقیقی کی قربت کا جو مقام آقائے دوجہاں ﷺ کو حاصل ہوا، کسی نبی کو حاصل نہ ہوسکا۔ اسی حقیقت کو اقبالؒ نے اپنے انداز میں یوں پیش کیا ہے۔

سید کل صاحب ام الکتاب — پردگیہا برضمیرش بے حجاب

گرچہ عین ذات را بے پردہ دید — رب زدنی از زبان اوچکید

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىO اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰىO عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰىO ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰىO وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰىO ثُمَّ دَنٰى

اور وہ اپنی (یعنی نفس کی) خواہش سے بات ہی نہیں کرتےO وہ تو وہی فرماتے ہیں جو اللہ کی طرف سے ان پر وحی ہوتی ہےO (ایسا کیوں نہ ہو) ان کو سکھایا زبردست قوت والے نےO زور آور

فَتَدَلّٰیO فَکَانَ قَابَ قَوسَینِ اَوۡ اَدۡنٰی O فَاَوۡحٰی اِلٰی عَبۡدِہٖ مَآ اَوۡحٰیO

(النجم،۵۳:۳:۱)

نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ تعلیم فرمائی) پھر (سرکاردوعالمﷺ نے منازل رفیعہ اور مکان عالی کا) قصد فرمایاOاور وہ افق اعلٰی پر تھے(وہ بلند ترین افق جو آسمانوں سے بھی بالا ہے جہاں تجلیات الٰہی ہر لمحہ نئی آن سے جلوہ نما ہیں) پھر (اس محبوب حقیقی سے) آپ قریب ہوئے اور آگے بڑھے O پھر (یہاں تک بڑھے کہ) صرف دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔O (یعنی دونوں جہتیں مل گئیں گویا صمدیت اور عبدیت کی کمانیں مل گئیں اور نور رسالت نے کیفیت نور ذات کا سرور پایا)۔ پھر (اللہ رب العزت نے بلاواسطہ) اپنے بندے کو جو وحی فرمانا تھی فرمائی (جو دینا تھا دیا جو بتانا تھا بتایا)O

پھر حضورﷺ کو یہ شرف بھی حاصل ہوا اللہ نے آپﷺ کو اپنی صفت رحمت کا پرتو کامل بنایا۔ جہاں جہاں اللہ کی ربوبیت فیض رساں ہے وہاں وہاں حضورﷺ کی رحمت بھی جلوہ کناں ہے۔ گویا کائنات کا ذرہ ذرہ جس طرح ربوبیت الٰہی کے زیر بارِ احسان ہے اسی طرح ہر ذرہ آپ کی رحمت کے جانفزا سایوں سے راحت جاں پاتا ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَO	اور (اے رسولؐ) ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے
(الانبیاء،۲۱:۱۰۷)	(آپؐ ہی ہمارا پرتو رحمت ہیں)o

یہ بھی حضور ﷺ کی شان امتیاز ہے کہ خود اللہ تعالیٰ آپ کی ذات گرامی پر ملائکہ کی محفل میں درود و سلام بھیجتا ہے اور پھر تمام اہل ایمان کو اس کا حکم دیتا ہے کہ وہ بھی حضور ﷺ پر درود و سلام بھیجیں۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِی یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا O	اللہ اور اس کے فرشتے رسول پر رحمت بھیجتے ہیں اے ایمان والوں تم بھی ان پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو (یعنی جان بوجھ کر عبادت کے طور پر درود و سلام بھیجا کرو)۔o
(الاحزاب،۳۳:۵۶)	

قرآن حکیم میں اللہ سبحانہ جہاں بھی حضور ﷺ سے مخاطب ہوتے ہیں کسی محبت بھرے لقب سے ہی خطاب فرماتے ہیں کہیں ارشاد ہوتا ہے۔

یٰاَیُّھَا الْمُزَمِّلُ O قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًاO	اے کپڑوں میں لپٹنے والے پیارےO (آپ) رات کے تھوڑے سے حصہ میں (نماز کے لیے) قیام فرمایا کیجئے (نہ کہ رات رات بھر)O
(المزمل،۷۳:۲)	

کہیں ارشاد ہوتا ہے:

یٰاَ یُّھَا الْمُدَّثِّرُ O قُمْ فَاَنْذِرْ O وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ O وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ O وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْO	اے کپڑے میں لپٹنے والے (محمدؐ) Oاٹھیے (اور پھر) لوگوں کو خدا کا خوف دلائیےO (تاکہ وہ اپنے اعمال بد کے نتائج سے ڈریں) اور اپنے پروردگار کی
(المدثر،۷۴:۱:۵)	

بڑائی (اور عظمت) بیان فرمایئےO اور اپنا لباس
پاک رکھیےO اور بتوں سے الگ رہیے۔
(جس طرح اب تک آپؐ الگ رہے ہیں)O

حضور ﷺ کے ذات باری کے قرب کی انتہا اور کمال نظر آتا ہے اس آیت قرآنی میں جہاں ارشاد ہوا:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ (الانفال، ۸:۱۷)

اور (اے حبیب محتشمؐ!) جب آپ نے (ان پر سنگ ریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے۔O

اور سورۃ الفتح میں اللہ سبحانہ نے حضور ﷺ کے دست مبارک کو اپنا ہاتھ قرار دے کر آپ سے محبت کے اظہار کا اتمام فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح، ۴۸:۱۰)

(اے رسولؐ) بلاشبہ جو لوگ آپ سے (آپ کے ہاتھ پر) بیعت کرتے ہیں فی الحقیقت وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں (گویا) اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے

حضور ﷺ کی منصبی فضیلت

اللہ جل جلالہ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو مخصوص اقوام اور علاقوں کی طرف مبعوث فرمایا حضرت صالح علیہ السلام کی شان بعثت کا ذکر فرمایا تو یوں کہ:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ۔ (النمل، ۲۷:۴۵)

اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے قومی بھائی صالح کو (بھیجا)۔ (صالح) نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو۔

حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر فرمایا تو یوں کہ:

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُودًاؕ
(الاعراف، ۷:۶۵)

اور ہم نے (قوم) عاد کی طرف ان کے (قومی) بھائی ہود کو بھیجا۔

لیکن جب ذات رسالت مآب ﷺ کی شان بعثت عالم انسانیت پر آشکار کی تو آپ کی بعثت و رسالت کو تمام انسانوں کے لیے عام کر دیا۔

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَايَعْلَمُوْنَO
(سبا،۳۴:۲۸)

اور (اے رسول ؐ) ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور (اعمال بد سے) ڈرانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے (تاکہ آپ نیک عمل کرنے والوں کو جنت کا مژدہ سنائیں اور ان اعمال سے لوگوں کو ڈرائیں جن کا نتیجہ غضب الٰہی ہے) لیکن اکثر لوگ (آپ کی اس فطرت کریمہ کو) نہیں سمجھتے (اور دین حق کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں)O

قرآن حکیم میں کسی نبی علیہ السلام کا یہ منصب بیان نہیں ہوا کہ وہ اپنی زندگی کے اندر اللہ کے دین کو ایک زندہ نظام کی حیثیت سے رائج کرے گا۔ یہ منصب صرف حضور ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ کی رسالت کا اظہار دین حق کی ضمانت بن گئی۔

هُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ. ؕ وَكَفٰى بِاللهِ شَهِيْدًا O
(الفتح، ۴۸:۲۸)

وہی (اللہ) تو جس نے اپنے رسول ﷺ کو (کتاب) ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر مکمل طور پر غالب کر دے (اور جملہ حقائق و معارف کو

ظاہر کردے اور حکمۃ طیبہ کی صداؤں سے
عالم گونجتا رہے) اور (یوں تو دین حق کی
صداقت اور رسول ﷺ کی رسالت پر)
اللہ ہی گواہ کافی ہے۔O

حضور ﷺ کی ان فضیلتوں کو سامنے رکھ کر جب ہم غور کرتے ہیں تو یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ امام الانبیاء علیہ السلام کو دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام پر افضلیت حاصل ہے اور اس کا سبب آپ کی بے مثال و بے نظیر محبوبیت ہے اگر حضور ﷺ نے محبوب خدا ہونے کے باوجود:

اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ— میں تمہارے ہی جیسا آدمی ہوں۔

(حم السجدہ، ۶:۴۱)

فرمادیا تو یہ آپ کی شان عبدیت ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ انبیاء کے اندر بھی (ان جیسے) نہیں بلکہ آپ ﷺ کو فضیلتیں ملی ہیں کہ آپ کی شان وراء الوراء ہے اور تمام فضیلتوں کے جامع اور شان محبوبیت کے حامل ہونے کے باعث آپ ﷺ کو انبیاء کے اندر بھی مثلیت نہیں بلکہ افضلیت حاصل ہے۔

یہاں یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ محض مثلیت اور بشریت پر زور دینے والوں نے مندرجہ ذیل پہلوؤں سے ٹھوکر کھائی اور حقیقت تک رسائی میں ناکام رہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ اور اسکے پیارے رسول ﷺ کے مابین تعلق محبت کی حقیقت نہ سمجھ سکے۔

۲۔ قرآن کی تعلیم کے صرف ایک پہلو پر زور دیا اور بحیثیت مجموعی قرآنی تعلیم کو سامنے نہ رکھا۔ جس کے باعث جزئیت پرستی نے انہیں راہ راست سے بھٹکایا۔

۳۔ ان کا تصور مقام مصطفیٰ ﷺ یکطرفہ اور ادھورا ہونے کے باعث ناقص رہا اور ذات رسالت مآب ﷺ کا تصور ناقص رہ جانے کے باعث دین کا تصور بھی کامل نہ ہو سکا۔

۴۔ اپنے ناقص تصور اور اس پر اصرار کے باعث اور پھر اصرار کی وجہ سے زبان و قلم کی طغیانی کے

باعث مختلف درجات میں توہین رسالت کے مرتکب ہوئے۔

۵۔توہین رسالت کے اس ارتکاب نے امت کے اندر ایسا فتنہ برپا کیا جوامت کے اندر بدترین فرقہ واریت اورفرقہ پرستی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

قرآن اور مقام رسالت مآب ﷺ۔۔۔۔اصولی بحث

قرآن حکیم میں ایسی متعدد آیات وارد ہیں جن سے خود آپ کی زبان مبارک سے آپ کی بشریت ومثلیت ظاہر ہوتی ہے اوراس کے مختلف پہلو آشکار ہیں جب کہ اسی قرآن میں حضور ﷺ کی محبوبیت اور افضلیت کو بیان کرنے والی آیات بھی موجود ہیں جن کو پڑھ کر جہاں آپ ﷺ کی شان محبوبیت کا شعور ہوتا ہے وہاں قرآن کے اندر ایک نوع کا ظاہری سا تضاد بھی محسوس ہوتا ہے مثلاً ایک مقام پر آپکی زبان اقدس سے کہلوایا جاتا ہے کہ:

مَآ اَدۡرِیۡ مَا یُفۡعَلُ بِیۡ وَلَا بِکُمۡ ؕ
(الاحقاف، ۹:۴۶)

میں (خود) نہیں جانتا کہ مجھے کن حالات سے گزرنا ہے اورتم کو کن حالات سے۔

جبکہ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰیO
(والضحیٰ، ۴:۹۳)

اور بے شک (ہر) بعد کی گھڑی آپ کے لئے پہلی سے بہتر (یعنی باعث عظمت و رفعت) ہے۔O

پھر ارشاد ہوا:

عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًاO
(الاسراء، ۷۹:۱۷)

آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائیگا۔O

پھر ارشاد فرمایا:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرضٰیO	اور آپ کا رب عنقریب آپکو (اتنا کچھ) عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔
(والضحیٰ،۹۳:۵)	

دراصل یہ تضاد نہیں بلکہ حضور ﷺ کی شان عبدیت اور شان محبوبیت کا بیان ہے آپ اللہ کے بندے ہیں اور بندے سے بندگی کا اظہار اسی طرح ہونا چاہیے وہ کہے کہ میں بھی دوسرے بندوں کی طرح ایک بندہ ہوں۔ جب اللہ اپنے محبوب کی شان محبوبیت بیان کرے تو اسے مقام عبدیت سے اٹھا کر عبدہ کی عظمتیں اور رفعتیں عطا کردے۔

عبد دیگر عبدہ چیز دگر
ماسراپا انتظار او منتظر

قرآن حکیم میں ایک طرف حضور ﷺ کی زبان اقدس سے یہ کہلوایا جاتا ہے کہ:

لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لاَسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ ۚ	اگر مجھے غیب کا علم (تعلیم الٰہی کے بغیر) ہوتا تو میں بہت کچھ خیر حاصل کر لیتا۔ اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچتی۔
(الاعراف،۷:۱۸۸)	

ایک طرف آپ ﷺ فرماتے ہیں:

مَآ اَدْرِیْ مَا يُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ ط	میں (خود یہ) نہیں جانتا کہ مجھے کن حالات سے گزرنا ہے اور تم کو کن حالات سے۔
(الاحقاف،۴۶:۹)	

اور دوسری جانب اللہ سبحانہ ایک اصول مقرر فرماتے ہیں:

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَداً O اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔	(اللہ) عالم الغیب ہے پس وہ اپنے (علم) غیب کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا O ہاں جس (رسول کو) پسند فرمالیتا ہے تو (اس کی غیب کی باتوں سے) بذریعہ وحی آگاہ فرماتا ہے۔
(الجن،۷۲:۲۶۔۲۷)	

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍO اور وہ (نبی اکرمؐ) غیب (کے بتانے) پر بالکل بخیل نہیں ہیںO

(التکویر، ۸۱:۲۴)

گویا اپنے ہی لفظوں میں اس حقیقت کو بیان کر دیا کہ اے محبوب ﷺ! آپ منتخب ہیں، آپ مرتضٰی ہیں، آپ مجتبٰی ہیں اور آپ مطلع علی الغیب ہیں، یہی سبب ہے کہ:

وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط اور آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا گیا جو آپ نہیں جانتے تھے۔

(النساء، ۴:۱۱۳)

ایک طرف حضور اکرم ﷺ کی طرف سے اپنی شان عبدیت کے کمال کا بیان اس طرح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اکثر کمالات کی نفی فرما رہے ہیں اور اپنی بندگی کو سرمایہ افتخار سمجھتے ہیں اور آپ کی زبان اقدس سے ارشاد ہوتا ہے کہ:

اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا — کیا میں شکر کرنے والا بندہ نہ بنوں؟

۱۔ صحیح البخاری، ۲۵، کتاب التھجد، ۶۔ باب قیام النبی حتی ترم قدماہ، ۱:۳۸۵، رقم حدیث: ۱۰۷۸۔

۲۔ صحیح مسلم، ۵۰، کتاب صفات المنافقین و احکامھم، ۱۸۔ باب اکثار الاعمال، والاجتھاد فی العبادۃ، ۴:۲۱۷۱-۲۱۷۲، رقم حدیث: ۷۹، ۸۰، ۸۱۔

۳۔ سنن الترمذی، ابواب الصلوۃ، ۳۰۴۔ باب ماجاء فی الاجتھاد فی الصلوۃ، ۲:۲۶۸، رقم حدیث: ۴۱۲۔

۴۔ سنن نسائی، کتاب قیام اللیل وتطوع النھار، باب احیاء اللیل، ۳:۲۱۹۔

۵۔ سنن ابن ماجہ، ۵۔ کتاب اقامۃ الصلوۃ والسنۃ فیھا، ۲۰۰، باب ماجاء فی طول القیام فی الصلوات، ۱:۴۵۶، رقم حدیث: ۱۴۱۹۔

جبکہ دوسری جانب اللہ حضور ﷺ کے کمالات عالیہ کا بیان فرماتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ (اے حبیبؐ!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں

وَاسْتَغْفَرَلَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُو اللهَ تَوَّاباً رَّحِيْمًاO

(النساء، ۴:۶۴)

حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بناء پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتےO

گویا اے محبوب ﷺ جب ان کی آخرت خراب ہونے لگے، عاقبت تباہ و برباد ہو جائے اور دوزخ ان کا مقدر بن جائے تو بھی ان کی تقدیر بدل سکتی ہے۔ اگر یہ آپ کے قدموں میں آ جائیں۔

ایک طرف حضور ﷺ کی شان بندگی اور استغفار کا یہ عالم ہے کہ آپ ساری ساری رات اپنے مولا کے دربار میں گریہ وزاری کرتے ہیں، اس کے حضور کھڑے رہتے ہیں اور اس کی جناب میں طویل سجدے کرتے ہیں اور دوسری طرف آپ کے لیے اللہ کی محبت کا یہ عالم ہے کہ وہ اس زمین کی بھی قسمیں کھاتا ہے جسے حضور ﷺ کے نعلین پاک کے تلووں کو چومنے کا شرف حاصل ہو گیا۔

لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ O وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِO

(البلد، ۹۰:۱-۲)

میں اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتا ہوں O (اے حبیب مکرم) اس لئے کہ آپ اس شہر میں تشریف فرما ہیںO

تطبیق کیسے ہو: اس ظاہری تعارض کے بعد دو ہی راستے رہ جاتے ہیں اولاً ایک پہلو سے متعلق آیات کو مان لیں اور دوسرے پہلو سے متعلق آیات کا انکار کر دیں لیکن اس فعل کے ارتکاب سے ایمان ہی سے محروم ہو جائیں گے بمطابق آیت قرآنی:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ج

(البقرۃ، ۲:۸۵)

کیا تم کتاب کے بعض حصوں پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔

ثانیاً یہ کہ ان کے مابین تطبیق دی جائے۔ اگر استقراء ایمان کے ساتھ ان آیات پر انصاف سے غور کیا جائے تو تطبیق یوں بنتی ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو تو مقام بندگی پہ رہتے ہوئے دامن میں سب کچھ موجود ہونے کے باوجود یہ کہتے ہوئے فخر محسوس کرے کہ میرا تو کچھ بھی نہیں جو کچھ ہے میرے مولا کا ہے اپنی ذات سے ہر کمال کی نفی کرتا چلا جائے۔ یہی شان بندگی ہے۔ حضور ﷺ کی زبان اقدس سے قرآن میں یہ کہلوایا جانا کہ:

۱۔ میں تو تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہوں۔

۲۔ میں نہیں جانتا کہ میرا مولا میرے ساتھ کیا کرے گا۔

۳۔ اگر میں غیب جانتا اپنے لیے بہت سی بھلائیاں جمع کر لیتا۔

یہ آپ کی شان بندگی ہے اور بندگی اسی بات کا تقاضا کرتی ہے جب حضور ﷺ شان بندگی کے ساتھ بات کرتے ہیں تو زور بشریت و مثلیت پر ہوتا ہے۔ مقام عبدیت یہ ہے کہ بندہ خود کو بطور عبد کیسے دیکھتا ہے۔ آپ ﷺ عبدیت میں اپنے ہر کمال کی نفی فرما دیتے ہیں اپنے مولا کو منانے کے لیے راتوں کو اشک برساتے ہیں حتی کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہے۔ یہ تو حضور ﷺ کا خود کو مقام عبدیت پر دیکھنا ہے اور مقام محبوبیت یہ ہے کہ اللہ سبحانہ حضور ﷺ کو خود کس طرح دیکھتا ہے اور کس طرح اپنے بندوں کو دکھاتا ہے اور اس کی کیفیت یوں ہے کہ:

لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِO وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ O	میں اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتا ہوںO (اے حبیب مکرم) اس لئے کہ آپ اس شہر میں تشریف فرما ہیںO (البلد، ۹۰:۱۔۲)

حضور اکرم ﷺ راتوں کو اللہ کے حضور کھڑے رہتے تھے حتی کہ آپ کے قدم متورم ہو جاتے۔ سجدے میں گرتے تو جسم بے حرکت ہو جاتا اور اتنے طویل سجدے کرتے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خوف دامنگیر ہوتا کہ شاید روح پرواز کر گئی ہو۔ آپ ﷺ اپنے متورم پاؤں

دیکھ کر روتے اور عرض کرتے مولا! میں تیری عبادت کا حق ادا نہ کر سکا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ محبوب ﷺ سے مخاطب ہوتا ہے تو انداز ہی اور ہے۔

یَاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ○قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ○ نِصْفَهٗ اَوِانْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ○اَوْزِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا○ (المزمل، ۷۳:۱۔۴)	اے کپڑوں میں لپٹنے والے○ (پیارے) (آپ ﷺ) رات کو تھوڑے حصہ میں (نماز کے لیے) قیام فرمایا کیجیے○ (نہ کہ رات رات بھر) (یعنی) آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم○ یا اس سے بھی زیادہ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر (وقوف، اعراب تمام کیفیات میں مفہوم و معنی کے ساتھ جس طرح آپ کا معمول ہے) پڑھتے رہیے○

اور کہیں انداز یہ بھی ہے

طٰهٰ ○ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤی○ (طہٰ، ۲۰:۱۔۲)	(اے میرے محبوب)○ ہم نے آپ پر یہ قرآن اس لیے تو نہیں اتارا کہ آپ محنت شاقہ میں پڑ جائیں○

یہاں تک یہ حقیقت بخوبی روشن ہو گئی کہ تطبیق موجود ہے اور وہ یہ کہ عبدیت اور محبوبیت بیک وقت موجود ہیں چنانچہ شان عبدیت کا اظہار جس انداز میں ہوا وہ بھی ضروری تھا اور جو کچھ بارگاہ الٰہی سے حضور ﷺ کی شان محبوبیت کے باب میں فرمایا گیا وہ بھی حضور ﷺ ہی کا منصب تھا۔

جزئیت پرستی کا فتنہ

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم جزئیت پرستی کا شکار ہو گئے۔ آپ کی بشریت و مثلیت والی آیات کو پڑھا تو انہی پر زور دینے لگے جس کے نتیجے میں آپ کی مثلیت کا تصور گہرا اور پختہ ہوتا

چلا گیا۔ظاہر ہے کہ جب آپ ﷺ کے مقام وراء الوراء سے صرف نظر کر کے صرف یہ تصور ذہن میں جمالیا جائے کہ آپ ﷺ ہم جیسے انسان ہی تھے تو ذہنی و قلبی طور پر رشتہ عشق و محبت اور جذبہ غلامی کا رابطہ کٹ کر رہ جاتا ہے۔ جبکہ مثلیت و بشیریت کو برحق مانا جائے۔لیکن تمام تر توجہ اور زور آپ کی افضلیت و محبوبیت کے بیان پر دیا جائے۔آپ کی عظمت کمال کا تصور ذہن میں اچھی طرح بٹھایا جائے اور اسلام کے حوالے سے ہر فرد امت کی زندگی پر آپ کے احسان عظیم کو نظر میں رکھا جائے تو محبت اور غلامی کا رشتہ استوار ہو جاتا ہے۔

ایک صاحب دیانت مسلمان نہ آپ کی بشریت و مثلیت کا انکار کر سکتا ہے اور نہ ہی افضلیت و محبوبیت کا۔خود حضور ﷺ کے عہد اقدس میں آپ کے مقام و مرتبہ کی ان دونوں جہتوں کو صحابہؓ بھی جانتے تھے اور کفار و مشرکین بھی۔ان میں سے کوئی کسی ایک شے کا بھی کلیتًا انکار نہ کرتا تھا۔کفار و مشرکین نے شق قمر کا واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، کنکریوں کے کلمہ پڑھنے کا واقعہ انہیں معلوم تھا اور آپ کی حیرت انگیز مضبوط کردار کی حامل شخصیت ان کے سامنے تھی اس طرح صحابہؓ نے آپ کی مثلیت کو عملاً دیکھا تھا اور بشریت کے ثبوت میں وارد ہونے والی آیتیں بھی بار ہا پڑھی تھیں۔صحابہؓ جانتے تھے کہ حضور ﷺ کو ہماری طرح بھوک پیاس بھی لگتی ہے، نیند بھی آتی ہے، زخم لگے تو خون بھی بہتا ہے، آپ گھر بار کے معاملات ہماری ہی طرح چلاتے ہیں لیکن ان سب حقائق ہونے کے باوجود کفار و مشرکین کی توجہ کا محور آپ کی بشریت و مثلیت تھی جب کہ صحابہؓ بشریت و مثلیت کے مظاہرے عملاً قریب سے دیکھنے کے باوجود آپ ﷺ کی افضلیت اور محبوبیت کے تصور میں مگن رہتے کہ انہیں اپنا رشتہ عشق و محبت اور جذبہ غلامی جزئیت پر مبنی خود ساختہ نام نہاد تحقیق سے زیادہ عزیز تھا۔

جو لوگ جزئیت پرستی کا شکار ہوئے انہوں نے اقرار تو بشریت و مثلیت اور افضلیت و محبوبیت دونوں کا کر لیا۔لیکن بشریت و مثلیت کی علمی اور کلامی رٹ پکانے لگے۔اس پر اصرار کرنے کو خدمت دین قرار دینے لگے۔افضلیت کا اقرار کرتے تو دبے لفظوں میں محض تیرتی

ہوئی نگاہ سے جائزہ لیا اور برسبیل تذکرہ اقرار بھی کرلیا لیکن زورقلم اور زور خطابت سارے کا سارا بشریت ومثلیت پرصرف ہونے لگا جس کے باعث کہیں کہیں کچھ لوگوں کے قلم میں طغیانی آتی گئی حتی کہ ان کے لفظوں سے اہانت تک کی بو آنے لگی اور کچھ وہ خوش نصیب بھی تھے جنہوں نے بشریت ومثلیت پر ایمان رکھا اس کا اقرار بھی کیا لیکن ان کا اصرار آپ ﷺ کی فضیلت و محبوبیت پر رہا، شق قمر، کنکریوں کا کلمہ پڑھنا، آپ ﷺ کی حبیبیّت، شافعیت اور معجزات کی عظمتیں ان کے قلب وذہن میں راسخ ہوتی چلی گئیں اور حضور ﷺ کی محبت ان کے قلب و باطن میں یوں رچ بس گئی کہ من احب شیأ اکثر ذکرہ کے مصداق وہ بہانے تلاش کرنے لگے کہ ذکر محبوب ﷺ سے اپنی زبان تر کریں اور حضور اکرم ﷺ کی محبت استوار تر ہوتی چلی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ بشریت ومثلیت پر اصرار کرنے سے انسان کا ایمان مرجھا جاتا ہے، محبت کا چراغ گل ہو جاتا ہے، رشتہ غلامی کٹ کر رہ جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں قلب فتنہ وفساد کا شکار ہو جاتا ہے۔ مثلیت و بشریت پر زور دینے والے، عشاق کو نصیب ہونے والی ان لذتوں سے محروم ہوتے ہیں جو ایمان کو مضبوطی اور پختگی کا سامان مہیا کرتی ہیں۔ لائق صد مبارک باد ہیں وہ لوگ جن کے دل محبت رسول ﷺ سے معمور ہوتے ہیں۔ انہیں حضور اکرم ﷺ سے وہ قلبی تعلق نصیب ہوتا ہے کہ جب ذکر محبوب ہو تو ان کے دل تڑپ تڑپ اٹھتے ہیں آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں اور طبعیت کیف وسرور میں مچل مچل جاتی ہے حضور اکرم ﷺ کی نعت پڑھی جائے تو وہ کسی اور ہی دنیا میں پہنچ جاتے ہیں کہ:

جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

ایمان کی حلاوت عشق رسول ﷺ سے مشروط ہے

حضور ﷺ کی بشریت ومثلیت کی بابت اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ قرآن وحدیث حضور ﷺ کی بشریت مقدسہ پر شاہد ناطق ہیں اور جو آپ کی بشریت کا منکر ہو وہ کافر ہے لیکن اگر

حلاوت ایمان درکار ہے، حضورﷺ کی محبت دلوں میں بیدار کرنا ہے اور ایمان کا چراغ جلا کر اپنے قلب و باطن کو روشن کرنا ہے تو پورے گھنٹے میں فقط ایک منٹ کے لیے حضورﷺ کی بشریت مقدسہ کا ذکر کافی ہے جب کہ انسٹھ منٹ حضور کی شانوں اور فضیلتوں کے بیان کے لیے وقف کر دیئے جائیں تاکہ ناواقف اور جزئیت پرست لوگوں کو حضورﷺ کے بلند و بالا مراتب کا احساس ہو جائے۔ ان کے دل بھی حلاوت ایمان سے لبریز ہونے لگیں اور خود ذکر کرنے والے کے دل میں بھی محبت بڑھتی چلی جائے اور یہی کمال ایمان کی منزلیں ہیں۔ جب حضورﷺ کے رخساروں کا ذکر ہوگا، آپ کی آنکھوں کا تذکرہ ہوگا، آپ کی مسکراہٹوں، آپ کی زلفوں اور جسد نورانی کا تذکرہ ہوگا تو بار بار ذکر سے دل میں آرزوئے دیدار پیدا ہوگی۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

جب یہ آرزو دعا بن کر لبوں پر مچل اٹھے گی کہ مولا! جس کے تصور میں ہمہ وقت لگا رہتا ہوں وہ پیکر حسین دکھا بھی دے!! تو یہ دعا حضورﷺ سے والہانہ محبت کی چنگاری کے دل میں بھڑک اٹھنے کی دلیل ہوگی اور جب یہ چنگاری بھڑک اٹھی، رشتہ غلامی بحال ہو جائے گا اور دل مثلیت پر اصرار سے پیدا ہونے والے فساد کی غارت گری سے محفوظ ہو جائے گا۔

مبلغین کی خطرناک لغزش

آج حضورﷺ کی ذات گرامی سے ہمارے تعلق غلامی کے کمزور پڑنے اور کٹ جانے کا اہم سبب بعض مبلغین کی ناخوش اندیشی ہے جس کی ہلاکت خیزیوں کا اقبالؒ نے یوں تذکرہ کیا۔

کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے؟
فقیہہ وصوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی

جب بعض مبلغین نے سارا زور حضور ﷺ کی بشریت و مثلیت پر صرف کرنا شروع کر دیا تو صرف احکام اور اعمال کی بات کی جانے لگی۔ مسائل شرع اور اوامر ونواہی پر زور دیا گیا۔ تعلیمات کا ذکر زیادہ کیا جانے لگا۔ یہاں پھر جزئیت در آئی۔ کتاب کی بات کی گئی لیکن صاحب کتاب کو الگ کر دیا گیا، شریعت کی بات ہوئی لیکن صاحب شریعت کے کمالات طاق نسیاں میں رکھ دیئے گئے۔ اعمال پر ثواب و عذاب کی باتیں خوب ہوئیں لیکن جس ہستی کے پیارے لبوں کا یہ فیضان اور احسان تھا اسے یکسر فراموش کر دیا گیا، نماز، روزہ اور احکام شریعت خوب تفصیل سے بیان ہوئے۔ ما اتکم پر سارا زور دے دیا گیا لیکن الرسول کی عظمتوں سے صرف نظر کر لیا گیا یہ سب کچھ ایک اعتبار سے درست ہونے کے باوجود اپنے اندر احسان فراموشی کی کیفیت رکھتا ہے۔ صاحب شریعت کو بھول کر صرف شریعت پر زور دینے سے دین کا ایک خشک سا تصور پیدا ہوا جو صرف ذہن تک محدود رہا اور دلوں تک رسائی حاصل نہ کر سکا۔ کیونکہ اگر زور صاحب شریعت کی بجائے صرف شریعت پر ہو تو شریعت بھی ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ جب تک علم دین جذبہ عشق مصطفٰی ﷺ سے سرشار نہ ہو جائے اس وقت تک عمل کی حلاوت اور محبت کی کیفیات عظمٰی حاصل نہیں ہوسکتیں۔ مبلغین عوام و خواص کے سامنے شریعت اور اس کے قابل عمل ہونے (Practicability) کا بہ تکرار و تسلسل بیان کرتے رہے۔ لیکن وہ بیان نہ ہوسکا جو دلوں کو محبت رسول ﷺ سے گرما دے۔ جسے سن کر وہ کیف و سرور، مزہ اور حلاوت نصیب ہو کہ ذات مصطفٰی ﷺ سے عشق کا رشتہ استوار ہو جائے۔

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

محبت کے بغیر عمل سے پیدا ہونے والا تقویٰ ثمر بے ذائقہ ہے

جب انسان کو حضور ﷺ کی ذات سے جذباتی وابستگی نصیب نہ ہوگی، عشق و محبت کی حلاوتیں نہ ہوں گی تو مسائل و احکام پر مشینی انداز میں کیا جانے والا عمل اس سے حاصل ہونے والا تقویٰ اور پرہیزگاری سب کچھ محض کھوکھلا خشک اور بے مزہ ہوگا۔ جس پھل کے اندر خوشبو اور ذائقہ نہ ہو وہ بظاہر تو خوشنما ہوگا لیکن حقیقت میں اس کی کچھ قدر و قیمت نہ ہوگی۔ اسی طرح جسے عشق رسول ﷺ کی لذت و حلاوت نصیب نہ ہو پائے، جو حضور ﷺ کی گلیوں کا کتا بن جانے پر فخر نہ کرے اور عالم تصور میں آپ ﷺ کے تلووں کو چوم لینا زندگی کی سب سے بڑی سعادت خیال نہ کرے تو ہزاروں عبادتوں کا بوجھ اٹھا لینے کے باوجود بھی اس کے ایمان و عبادت کا پھل بے ذائقہ رہے گا۔

آغاز فتنہ

مثلیت پر اصرار سے ابھرنے والے اس فتنہ کا آغاز عہد رسالت مآب ﷺ سے ہی ہو گیا تھا۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ مال غنیمت آیا۔ آپ ﷺ تقسیم فرما رہے تھے اور ہر ایک کو اس کے حسب ضرورت عطا کر رہے تھے۔ دریں اثنا قبیلہ بنوتمیم کا ایک شخص جس کا نام ذوالخویصرہ تھا، آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئیں، سر منڈا ہوا، منہ کی ہڈیاں اوپر ابھری ہوئیں اور تہہ بند پنڈلیوں تک اوپر اٹھا ہوا تھا۔ مجمع میں سے کھڑا ہوا اور حضور ﷺ کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

اِعدِلْ یَا مُحَمَّدُ اِتَّقِ اللّٰہَ۔ اے محمد ﷺ! عدل کیجیے اور اللہ سے ڈریے!

۱۔ صحیح مسلم، ۱۲۔ کتاب الزکاۃ، ۴۷۔ باب ذکر الخوارج وصفاتھم، ۲: ۷۴۰، ۷۴۱، رقم حدیث: ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴۔

۲۔ صحیح البخاری، ۹۲۔ استتابۃ المرتدین والمعاندین، ۶۔ باب من ترک قتال الخوارج للتالف ولئلا ینفر الناس عنہ، ۶: ۲۵۴۰، رقم حدیث: ۶۵۳۴۔

اگر چہ عدل کا تقاضا کرنا فی نفسہ دین کی بات ہے حق بات ہے لیکن حضور ﷺ اور اپنی بابت مثلیت کے خیال کے غلبہ کے باعث اسے عدل وتقوی تو یاد رہا لیکن اسے یہ یاد نہ رہا کہ سامنے کون ہے!! وہ کس سے مخاطب ہے!! گویا وہ عدل کا تصور عطا کرنے والی ہستی کو بھول گیا۔ اس کا دھیان تقوی پر تو گیا لیکن تقوی عطا کرنے والی ذات پیش نظر نہ رہی۔ عدل اور تقوی کی بات دین ہی کی بات ہے۔ بات اس نے دین کی تعلیمات کے منافی نہیں کی تھی بلکہ منصب رسالت مآب ﷺ کے منافی کی تھی۔ چونکہ منصب رسالت مآب ﷺ کی عظمت اس کے پیش نظر نہ رہی اس لیے اس کی زبان سے نکلی ہوئی بات بھی دین کی بات نہ رہی۔ عنوان بے شک دین رہا مگر نفس مضمون کفر ہو گیا۔ چونکہ وہ حضور ﷺ کو پہچان نہ سکا اس لیے مثلیت کے زعم میں بے ادبی و گستاخی کا مرتکب ہوا۔ اس کی اس قبیح جسارت پر فاروق اعظمؓ تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور عرض کیا:

''یا رسول ﷺ! اجازت ہو تو اس کا سر قلم کر دوں'' آپ نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ:

فَاِنَّ لَهٗ اَصْحَاباً يَحْقِرُ اَحَدُكُمْ صَلَاتَهٗ مَعَ صَلَاتِهِ وَصِيَامَهٗ مَعَ صِيَامِهٖ يَقْرُؤُوْنَ الْقُرْآنَ ، لَايُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ ، يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْاِسْلَامِ مُرُوْقَ السَّهْمِ مِنْ الرَّمِيَّةِ۔

(صحیح البخاری، ۹۲۔ کتاب استتابۃ المرتدین والمعاندین، ۵۔ باب قتل الخوارج والملحدین بعد اقامۃ الحجۃ علیھم ،۲: ۲۵۴۰،۲۵۴۱، رقم حدیث: ۶۵۳۲، ۶۵۳۴،۶۵۳۵۔)

اس کے بہت سے ساتھی ہیں جن کی نمازوں اور جن کے روزوں کو دیکھ کر تم اپنی نمازوں اور روزوں کو حقیر سمجھو گے وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ ان ساری ظاہری خوبیوں کے باوجود وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

اس فتنہ کی ایک جھلک پہلی صدی کے اواخر میں بھی دیکھی گئی جب کہ خوارج کے نام سے ایک فتنہ پیدا ہوا۔ یہ متشدد مذہبی لوگ تھے جو جھوٹ کو کفر جانتے تھے۔ تہجد کو فرض کی طرح نافذ کرتے، مجاہدے کرتے، جہاد کرتے اور ہر فیصلہ قرآن کے مطابق کرتے تھے لیکن ان کی گمراہی کا یہ عالم تھا کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کو کافر کہتے اور انہیں کافر نہ ماننے والوں کو بھی کافر کہتے جس کی بناء پر انکے عقیدے کے مطابق امت کی اکثریت کافر تھی۔ یہی سبب ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کے ساتھ قتال کیا اور ان کی بیخ کنی کی ہر ممکن کوشش کی۔ یہی گمراہی مسلمانوں کی تاریخ کے مختلف ادوار میں رہی کہ کچھ مخصوص طبقات توحید اور دین کے حقیقی تقاضوں کو سمجھنے کے دعویدار بن کر امت کی اکثریت کو کافر، گمراہی اور مشرک قرار دیتے رہے۔ حالانکہ امت محمدیہ علی صاحبھا الصلوۃ والسلام کی بڑی اکثریت کو گمراہ سمجھنا بجائے خود ایک گمراہی ہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را۔۔۔

آج حضور ﷺ سے تعلق غلامی استوار کرنے کے لیے پہلا قدم آپ ﷺ کی پہچان ہے۔ آپ ﷺ کے درجات عالیہ اور بے مثال و بے نظیر عظمتوں کا شعور حاصل کرنا ہے۔ آپ ﷺ کی افضلیت ومحبوبیت کا اقرار واصرار اور اس کے نتیجے میں عشق رسول ﷺ کی دولت سے بہرور ہو جانا ہی امت مسلمہ کی ہر کامیابی کی کلید ہے۔ اگر آج ہم اجتماعی سطح پر حضور ﷺ کی پہچان کر لیں، وہ پہچان جس نے ابن قحافہ کو صدیق اکبرؓ اور عمر بن خطابؓ کو فاروق اعظمؓ بنا دیا اور تین سو تیرہ کی بے دست و پا فوج کو ایک ہزار کے لشکر جرار پر فتح یاب کر دیا تو یقیناً

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

کی حقیقت آج بھی عالم مثال میں آشکار ہو سکتی ہے۔ یہی وہ پہچان ہے جو قبر میں راحت جاں کا وسیلہ اور حشر میں نجات کا سامان بن سکتی ہے۔

حدیث نبوی ﷺ ہے کہ جب رشتہ دار اعزہ واقارب میت کو قبر میں اتار کر قبر سے

ہٹ جاتے ہیں تو نکیرین میت کو اٹھا دیتے ہیں اور سوال کرتے ہیں:

مَنْ رَبُّکَ؟ تیرا رب کون ہے؟

پھر پوچھتے ہیں:

مَا دِیْنُکَ؟ تیرا دین کیا ہے؟

اس کے بعد حضور ﷺ کی ذات اقدس اور شکل مبارک میت کے سامنے آتی ہے اور پوچھا جاتا ہے

مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ؟ تو (دنیوی زندگی میں) اس ہستی کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا

ایک اور روایت کے مطابق:

فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ ﷺ اس ہستی یعنی محمد ﷺ (کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا) (صحیح البخاری، ۱:۱۷۸)

اب بول تو دنیا میں اس ہستی کے بارے میں کیا کچھ کہتا تھا؟ اسٹیجوں پر ہزاروں افراد کے سامنے اس ذات کے بارے میں کیا تاثر دیتا تھا؟ بحث و مناظرہ میں اس ذات کی عظمتوں کو گھٹانے کی کیا کیا کوششیں کرتا تھا، کتابوں اور مضامین کے ذریعے لوگوں کے ذہن کس طرف لے جاتا تھا۔

عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جب ''کان'' کے بعد فعل مضارع آئے تو وہ ماضی استمراری کا فائدہ دیتا ہے گویا ما کنت تقول کہہ کر انسان کی حیات دنیوی کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا کہ تو اپنی زندگی میں اس ہستی کے بارے میں کیا نظریہ و عقیدہ رکھتا تھا اور کیا کچھ کہا کرتا تھا۔ اس لیے ما کنت کہہ کر میت سے وہ پہچان پوچھی جاتی ہے جو وہ دنیوی زندگی میں حضور ﷺ کی ذات گرامی کی بابت رکھتا تھا۔ اگر کسی انسان نے دنیا کی زندگی میں حضور ﷺ کی صحیح معرفت نہ پائی ہو، مثلیت و بشریت پر زور دینے کے باعث آپ ﷺ کی عظمتوں کی معرفت سے محروم رہ

گیا ہو اور آپ ﷺ کی محبت اور ادب کے ساتھ زندگی نہ گزاری ہو تو حضور ﷺ کی پہچان کرنا اس کے لئے ممکن نہ رہے گا۔ اور اگر دنیا کی زندگی میں نسبت غلامی استوار رہی ہو تو اس کی زندگی حضور ﷺ کی محبت سے معمور کرنے والے عشق و محبت کی کیفیتوں سے معمور تصورات پکار اٹھیں گے کہ یہ وہی پیکر حسن ہے جس کی تلاش میں نگاہیں ساری زندگی سرگرداں رہیں۔ وہ بے ساختہ پکار اٹھے گا کہ یہ میرے آقا و مولا میری محبتوں کا محور اور میری آرزؤں کا وہ مرکز ہیں جو روح کائنات اور رحمۃ للعالمین ہیں۔

جب انسان قبر میں حضور ﷺ کو پہچان لیتا ہے تو اسے دوزخ دکھایا جاتا ہے اور بتا دیا جاتا ہے کہ اے شخص! تیرا ٹھکانہ یہ تھا لیکن تیری اس پہچان کے بدلے اسے منسوخ کر کے اب تیرا ٹھکانہ جنت بنا دیا گیا ہے۔ گویا تیری پہچان نے تیرے ٹھکانے کو بدل دیا۔ یہ بھی اسی حدیث میں حضرت انسؓ سے مروی ہے۔

فیقال له انظر الی مقعدک من النار قد ابدلک الله به مقعدا من الجنة –

پس اسے کہا جاتا ہے کہ اپنے (سابقہ) ٹھکانے کو دوزخ میں دیکھ جسے اللہ نے تیرے لیے جنت سے بدل دیا ہے۔

(صحیح مسلم، ۵۱۔ کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا، ۱۷۔ باب عرض مقعد المیت من الجنۃ اوالنار علیہ، ۴:۲۲۰۱، رقم حدیث: ۷۰)

آج ہمارے فساد قلب کا علاج صرف اس پہچان اور معرفت کو پیدا کر لینے میں ہے جو پیدا ہو جائے تو ؎

عاشقان او زخوباں خوب تر
خوشتر و زیباتر و محبوب تر

کی شان عطا ہوتی ہے جب انسان کے قلب و باطن میں حضور ﷺ کے عشق و محبت کا

چراغ روشن ہو جائے اور رشتہ غلامی استوار ہو جائے تو انسان کی شخصیت خود بخود صدق و اخلاص کے ساتھ دینداری کے سانچے میں ڈھلتی چلی جاتی ہے اور جب حضور ﷺ سے رشتہ غلامی ان کیفیتوں کو پہنچ جائے تو اس کی رگ رگ صدا بار ہوتی ہے کہ:

مینڈا ذکر وی توں، مینڈا فکر وی توں
مینڈا ذوق وی توں، وجدان وی توں
مینڈا سانول مٹھڑا شام سلونا
من موہن جاناں جان وی توں
مینڈا دھرم وہی توں، مینڈا بھرم وی توں
مینڈا شرم وی توں، مینڈا شان وی توں
مینڈا کعبہ، قبلہ، مسجد ممبر
مصحف تے قرآن وی توں
مینڈے فرض فریضے حج زکوتاں
صوم و صلوۃ، اذان وی توں

باب پنجم

فسادِ قلب کی دوسری صورت کا علاج

- طریقِ زھد
- طریقِ عشق

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ حضورﷺ سے ہمارا تعلق غلامی جو کٹ چکا ہے یعنی حقیقتاً اور معناً معدوم ہو چکا ہے اس کی بحالی اور مضبوطی کس طرح ممکن ہے۔

قرآن مجید احادیث نبویﷺ صحابہ کرام تابعین، اولیائے عظام اور اسلاف واکابر کی جملہ تعلیمات اور انکے ارشادات کی روشنی میں اگر اس امر کا تجزیہ کیا جائے تو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ جب حضورﷺ سے تعلق غلامی ٹوٹ جائے یا کمزور پڑ جائے تو اس کی بحالی سوائے طریق عشق کے کسی اور طرح سے ممکن نہیں ہے۔

طریق زہد

اگر چہ اس کے علاوہ ایک طریقہ اور بھی ہے لیکن یہ بہت طویل، محنت طلب اور کھٹن ہے، اس میں آزمائشیں بھی زیادہ ہیں اور وقت بھی زیادہ صرف ہوتا ہے، یہ زاہدوں اور عبادت گزاروں کا راستہ ہے، اہل تقوی اور اہل مجاہدہ کا راستہ ہے، یہ راستہ بلاشبہ بڑا مقدس اور بلند ہے مگر طویل اور کٹھن ہے جبکہ طریق عشق زیادہ موثر، نتیجہ خیز اور سرعت کے ساتھ منزل پر پہنچانے والا ہے۔

سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ نے کیا خوب کہا ہے

جس منزل تے عشق پہنچا وے
اتھے غوث نہ پاندے پھیرا ہو
غوث قطب سب ارے اریرے
عاشق جان اگیرے ہو

ارے اریرے کا معنی یہ ہے کہ سب ادھر ادھر رہ جاتے ہیں اور عاشق بہت آگے نکل جاتے ہیں۔

طریق زہد اور طریق عشق کا فرق

تلاش حق کے ضمن میں قرآن حکیم بھی انہی دو راستوں کی نشاندہی کرتا ہے اور ان

دونوں کے فرق کو بڑے واضح انداز میں بیان کرتا ہے۔ قرآن حکیم کے مطابق یہ الگ الگ راستے راہ انابت اور راہ اجابت کہلاتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَہۡدِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یُّنِیۡبُ O (شوریٰ، ۴۲:۱۳)	اللہ ہی جس کو چاہتا ہے (اس راہ حق کے لیے منتخب فرماتا ہے اور ہر شخص جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو اپنی طرف ہدایت فرماتا ہے (اس پر اللہ کی طرف متوجہ رہنے اس کے پانے کی راہ کھول دیتا ہے) O

یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں چن لیتے ہیں اور اپنی بارگاہ تک رسائی عطا کر دیتے ہیں اور آیت کے دوسرے حصے کے مطابق جو لوگ اللہ جل جلالہ کی طرف جانا چاہتے ہیں اور جانے کا ارادہ رکھتے ہیں انہیں راستہ دکھا دیا جاتا ہے ان دونوں باتوں کا فرق یہ ہے کہ ایک کو خود چنا جا رہا ہے اور منزل تک پہنچایا جا رہا ہے جبکہ دوسرے کو فقط یہی بتلایا جا رہا ہے کہ یہ راستہ ہے، جو ہماری طرف آنا چاہتا ہے اس راستے پر گامزن ہو جائے، جو کوئی جتنی محنت کرے گا اسے اسی قدر کامیابی نصیب ہوگی اور قرب و وصال کے پردے اٹھتے چلے جائیں گے۔ اس حقیقت کی نشاندہی قرآن حکیم میں ایک مقام پر ان الفاظ میں کی گئی ہے:

وَالَّذِیۡنَ جَاہَدُوۡا فِیۡنَا لَنَہۡدِیَنَّہُمۡ سُبُلَنَا ؕ (العنکبوت، ۲۹:۶۹)	اور جو لوگ ہماری راہ میں (ہمارے لئے) کوشش کرتے ہیں ہم ضرور اپنا راستہ انہیں دکھا دیتے ہیں۔

یعنی جو لوگ ہماری معرفت میں ہمارے قرب و وصال کے لیے مجاہدہ کرتے ہیں محنت و مشقت کرتے ہیں ہم ان پر تمام راستے کھول دیتے ہیں تاکہ وہ بدستور آگے بڑھتے چلے جائیں مگر دوسری طرف کیا ہے؟ راستوں کی بات ہی نہیں ہے اللہ جل مجدہ خود چنتے ہیں اور اٹھا کر اپنا وصال عطا

کر دیتے ہیں۔بعضوں کوفقط راستہ دکھاتے ہیں،بعضوں کو پکڑ کر منزل تک پہنچا دیتے ہیں۔

بنا بریں طریق زہد محنت طلب راستہ ہے جبکہ طریق عشق وہ ہے جس میں راستہ نام کی کوئی درمیانی شے ہے ہی نہیں۔بس محبوب کی نگاہ کرم ہے جو بندے کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔اس طریق پر گامزن رہ کر بندہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ محبوب خود اسے چن لیتا ہے یعنی بندہ محبّ سے محبوب بن جاتا ہے، طالب سے مطلوب اور منتظر سے منتظر بن جاتا ہے اور ساری مسافتیں خود بخود طے ہو جاتی ہیں۔

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین وآسمان کو بیکراں سمجھا تھا میں

یعنی زمین وآسمان کی مسافتوں کو میں نے بڑا لمبا سفر سمجھ رکھا تھا،طویل راستہ اور بڑی دور کی منزل تصور کیا تھا مگر جب عشق کی سواری پر سوار ہوا تو اس نے ایک ہی قدم اٹھایا تھا کہ سب راستے طے ہو گئے۔یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ جو رفتار عشق کی ہے وہ رفتار کسی اور شے کی نہیں ہے۔

اقبال کے نزدیک طریق عشق کی رسائی

طریق عشق کے مسافر کی سبک رفتاری اور اس کی منزل مقصود تک جلد رسائی کو علامہ اقبال نے بڑے عمدہ پیرائے میں بیان کیا ہے۔

وہ عشق اور عقل وتدبر کی کیفیات اور اس کا باہم تقابل کراتے ہوئے فرماتے ہیں:

بوعلی اندر غبار ناقہ گم
دست رومیؒ پردہ محمل گرفت
ایں فروتر رفت تا گوہر رسید
آں بگر داپے چو خس منزل گرفت

اقبال کے نزدیک بوعلی سینا عقل کا نمائندہ اور مولانا رومؒ عشق کی علامت ہیں مولانا

روم پر بھی ایک زمانہ بوعلی سینا جیسا گزرا ہے یہ بھی اپنے وقت کے بوعلی تھے مگر بالاخر اس راستہ کو چھوڑ کر طریق عشق پر آ گئے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ کا واقعہ

مشہور واقعہ ہے کہ مولانا رومؒ اپنے دارالعلوم میں تعلیم و تدریس میں مصروف تھے ایک دن شاہ شمس تبریزؒ جو ایک مست حال بزرگ تھے وہاں آئے اور مولانا رومؒ سے پوچھا: یہ کیا پڑھ رہے ہو؟

آپ نے جواب دیا: اسے تم نہیں جانتے؟ اس پر انہوں نے کتابیں اٹھا کر مسجد کے قریب تالاب میں پھینکنا شروع کر دیں۔

مولانا رومؒ بہت برہم ہوئے اور پوچھا:

بابا کیا کر رہے ہو؟ ہمارا لاکھوں روپے کی مالیت کا ذخیرہ تھا جس کو تم ضائع کر رہے ہو۔ طلباء اور اساتذہ سب پریشان اور اس علمی نقصان پر افسردہ تھے اور دیکھ رہے تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر وہ مست قلندر تالاب میں داخل ہوئے اور ایک ایک کتاب کو نکالنا شروع کر دیا۔ کتابیں پانی میں سے اٹھا رہے ہیں لیکن ان میں سے مٹی اڑ رہی ہے۔ تمام اساتذہ اور طلباء حیران و ششدر تھے کہ ماجرا کیا ہے؟

پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ:

''ایں آنست کہ تو نمی دانی''

یہ بھی وہی کچھ ہے جو تم نہیں جانتے۔

اس واقعہ نے مولانا رومؒ کی دنیا ہی بدل ڈالی۔ آپ نے اسی لمحہ اپنے دارالعلوم، تدریسی شغل اور فتوی نویسی کو خیرباد کہا اور اس مرد قلندر کے پیچھے پیچھے صحراؤں، دریاؤں اور جنگلوں کا رخ کیا مدتوں اپنے شیخ کے ہمراہ ان کی خدمت میں وادیوں کے چکر کاٹتے رہے لوگوں نے اس پر بہت کچھ کہا آپ نے سب کچھ سنا، تہمتوں کے طوفان اور طعنہ زنی کو برداشت

کیا۔ لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ نے اس سے علم حدیث کی خدمت چھین لی ہے اور اسے دین کی خدمت سے محروم کر دیا گیا ہے اور اب دریاؤں، صحراؤں اور جنگلوں میں بھٹک رہا ہے مگر آپ نے یہ ساری باتیں خوش دلی سے برداشت کیں کیونکہ عشق کے راستے میں یہ سب کچھ سننا پڑتا ہے۔ عشق کے راستے میں تو اپنے شیشہ دل کو توڑنا پڑتا ہے حضرت خواجہ اجمیرؒ فرماتے ہیں۔

بزن بسنگ ملامت ز جاجہ ناموس
بکوئے عشق بریز آبروئے تقوی را

یعنی لعنت و ملامت کے پتھروں سے اپنی عزت کے شیشے کو چور چور کر دے۔ یہ ناموس اور بھرم کے شیشے جنہیں تو بچا بچا کے چلتا ہے انہیں ٹوٹنے دے اور عشق کی گلی میں اپنے تقوی کی آبرو کو توڑ دے۔ چنانچہ مولانا رومؒ نے اسی طرح کیا اور سنگ ملامت سے ز جاجہ ناموس کو چور چور کر دیا تو سب کچھ مل گیا لوگوں کو بھی خبر ہوگئی کہ اصل راستہ تو یہی تھا۔

علامہ اقبالؒ نے اس مفہوم کو ایک شعر میں خوب بیان کیا ہے:

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

یہی شیشہ قلب ہے جسے ہم بچا بچا کے رکھتے ہیں، یہ صرف عشق کے بازار میں چلنے سے ہی ٹوٹتا ہے، جب اس پر سنگ ملامت برستے ہیں، پتھروں کی مسلسل بارش سے جب ز جاجہ ناموس چور چور ہوتا ہے تب ہی اس میں کیف و سرور آتا ہے۔ جب انسانی انا کا یہ بت پاش پاش ہو جاتا ہے تو سارے پردے اٹھ جاتے ہیں۔

اس کے بعد مولانا نے مثنوی تحریر فرمائی۔ عالم تو پہلے بھی تھے مگر عارف نہ تھے۔ اب عشق نے انہیں عارف بنا دیا۔ جب تک عالم تھے فقط جانتے تھے اور جب عارف ہوگئے تو پہچاننے بھی لگے۔ جاننے اور پہچاننے میں فرق ہے۔ جاننا فقط عقل کا عمل ہے، عقل کی ایک

کیفیت ہے بسا اوقات انسان جانتا تو ہے مگر پہچانتا نہیں، پہچانتا تب ہے جب پردہ اٹھ جائے۔ طریق زہد سے پردہ بڑی مشکل کے ساتھ اور بڑے عرصے کے بعد جا کر اٹھتا ہے جبکہ طریق عشق میں اٹھا ہوا ایک قدم ہی بسا اوقات پردے اٹھا دیتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس مقام پر جس کا پہلے بھی اجمالاً تذکرہ کیا جا چکا ہے عشق اور عقل میں مذکورہ فرق کو بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔

بوعلی اندر غبار ناقہ گم
دست رومی پردہ محمل گرفت

یعنی بوعلی سینا بھی دوڑے اور مولانا روم بھی دوڑے، عشق بھی دوڑا، عقل بھی دوڑی لیکن عقل محبوب کی اونٹنی کے پاؤں سے اٹھنے والی گرد میں گم ہو کر رہ گئی اس سے آگے عقل کی پرواز نہ تھی مگر عشق بڑھا اور اس نے محبوب کے کجاوے کا پردہ اٹھا دیا۔ اسی لیے علامہ اقبالؒ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

عقل راہنما تو ہو سکتی ہے منزل آشنا نہیں، منزل تک پہنچانا تو صرف عشق کا کام ہے۔

اللہ پاک نے فرمایا کہ راہ اجابت والے یہی لوگ ہیں۔

راہ انابت اور راہ اجابت میں فرق

فرمان الٰہی کے مطابق راہ انابت کے مسافر وہ لوگ ہیں جنہیں صرف راستہ دکھا دیا جاتا ہے۔ جبکہ راہ اجابت پر چلنے والے کو منزل کی طرف بلایا جاتا ہے۔

راہ انابت والوں کے ساتھ عدل کا اور اجابت والوں کے ساتھ فضل کا معاملہ ہے۔ یہ دونوں اللہ کے معاملے ہیں اس پر کسی کا زور نہیں وہ جسے چاہے اپنے فضل سے نواز دے! عدل کا تعلق طریق زہد کے ساتھ ہے یعنی آپ جتنی محنت کریں گے اتنا راستہ طے ہو گا اور مسافتیں کم

ہوتی چلی جائیں گی مگر فضل بطریق عشق ہے۔ عشق کی سواری پر چلنے والے خوش نصیب جب ایک قدم اٹھاتے ہیں تو ساری مسافتیں ان کے لیے خود بخود طے ہوجاتی ہیں یہاں راستہ آسان اور مختصر ہوجاتا ہے چنانچہ اول الذکر منیب ہوتے ہیں اور دوسرا طبقہ مجتبیٰ کہلاتا ہے۔ قرآن حکیم اس کی نشان دہی یوں کررہا ہے:

اَللّٰهُ يَجتَبِىٓ اِلَيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيبُ (الشوریٰ، ۴۲:۱۳)	اللہ ہی جس کو چاہتا ہے (اسے راہ حق کے لئے) منتخب فرماتا ہے اور ہر شخص، جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو اپنی طرف ہدایت فرماتا ہے۔

اگر اس آیت کریمہ پر غور کریں تو آیت کریمہ کے پہلے حصہ میں اجابت کے فعل کا ذکر ہے اور اس میں فاعل خود اللہ ہے اس کے بعد انابت کے راستے کا بیان ہورہا ہے جس میں فاعل بندہ ہے اور اللہ جل مجدہ چن لیتے ہیں جسے چاہتے ہیں یجتبی کا فاعل اور یشاء کا فاعل ہر دو جگہ اللہ ہے یعنی چنتے بھی اللہ تعالیٰ ہیں اور پہنچاتے بھی وہی ہیں۔ بندے کا ذکر ہی نہیں نہ یہ بندے کا کام ہے نہ بندے کی مجال نہ اس کی کوشش اور نہ اس کی کاوش۔ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے جیسا کہ بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

سب وچ توں ایں، سب کچھ توں ایں، توں سب توں پاک پچھانا
میں وچ توں ایں، توں وچ توں ایں، ایتھے بلھاؒ کون نمانا

یعنی طریق عشق میں اپنی ہستی کو ختم کرکے بندہ خود راستے سے ہٹ جاتا ہے اور درمیان میں اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ خود ہی چن کر اپنے ساتھ ملا دیتے ہیں، بندے کا تو ارادہ بھی شامل نہیں ہوتا۔ یجتبی میں بھی ارادہ اللہ کا ہے اور یشاء میں بھی ارادہ اللہ کا ہے مگر زہد والے راستے میں محنت بندہ کرتا ہے یعنی جو بندہ اس کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا ہے اللہ اس کو ہدایت عطا کرتے ہیں اور راستہ دکھاتے ہیں وہاں چل کر پہنچنا بندے کا کام ہے کیونکہ منیب کا

فا فاعل بندہ ہے۔

توجہ طلب نکتہ

یہاں قابل توجہ بات یہ ہے کہ جب بندہ چل رہا ہو تو اس کی رفتار کیا ہوگی اور جب اللہ تعالیٰ اسے چلا رہے ہوں تو تب رفتار کیا ہوگی؟ یہی فرق ہے۔ راہ انابت میں بندہ خود چلتا ہے اور راہ اجابت میں اللہ تعالیٰ بندے کو چلاتے ہیں۔ اندازہ فرمائیں کہ بندے کے چلنے اور اللہ تعالیٰ کے چلانے کی رفتار کیسے برابر ہوسکتی ہے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ایک لمحے میں جتنے فاصلے چاہیں طے کرادیں مگر جب بندہ چلے گا تو اس نے اپنی ہمت سے چلنا ہے۔ اتنی ہی مسافت طے ہوگی جتنی اس میں ہمت ہوگی پھر جب بندہ چلتا ہے تو چل کر تھک بھی جاتا ہے مگر اس کے برعکس جب اللہ مجدہ چلانے والے ہوں تو تھکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو لوگ طریق عشق پر گامزن ہوتے ہیں وہ تھکتے بھی نہیں اور انہیں بھٹکنے کا خطرہ بھی نہیں ہوتا، وقت بھی نہیں لگتا اور منزل پہ بھی پہنچ جاتے ہیں۔ مگر جو لوگ طریق زہد پر گامزن ہوتے ہیں وہ تھکتے بھی ہیں، وقت بھی لگتا ہے، محنت بھی صرف ہوتی ہے، اور اس پر طرہ یہ کہ منزل پر کبھی پہنچتے ہیں اور کبھی نہیں پہنچتے۔

طریق زہد اور طریق عشق کو سمجھنے کے لیے ایک عقلی مثال

طریق زہد اور طریق عشق کو ایک دوسری مثال سے بھی سمجھا جاسکتا ہے مثلاً آپ کے پاس ایک قطعہ اراضی ہے، اس میں غیر ضروری درخت اور پودے اگے ہوئے ہیں، اسے صاف کرنے کے دو طریقے ہیں، ایک تو یہ کہ آپ روزانہ دو چار گھنٹے لگائیں، باری باری ایک درخت کو اکھاڑیں یعنی آری لے کر پہلے تنے کو کاٹیں پھر جڑ کو زمین سے نکالیں، اس عمل کو کرنے کے لیے دو تین دن لگیں گے، اس طرح آپ تھک بھی جائیں گے، ایک دو دن میں آرام کر کے پھر دوسرے درخت کو ہاتھ لگائیں، اس طرح باری باری ایک ایک درخت کو ختم کرتے چلے جائیں، صفائی کے اس طریقے میں مہینے صرف ہو جائیں گے پھر کہیں جا کر زمین غیر ضروری پودوں سے

پاک ہوگی، صفائی کا یہ انداز گویا طریق زہد ہے جس میں عمل آہستہ آہستہ جاری رہتا ہے مگر اس کی صفائی کا ایک طریق اور بھی ہوسکتا ہے جس میں پہلے ہی دن بازار سے مٹی کا تیل لائیں اور ان درختوں اور جھاڑیوں پر چھڑک کر آگ لگا دیں، تھوڑی دیر میں ساری زمین صاف ہوجائے گی۔ پس صفائی کا یہ طریقہ عشق ہے۔ جس میں صفائی بھی جلدی ہوجاتی ہے اور محنت بھی کم کرنا پڑتی ہے۔

مال و دولت اور دنیاداری سے محبت، خواہش نفس اور لالچ کی ہزاروں جھاڑیاں ہمارے دل کی کیاری میں اگی ہوئی ہیں۔ جو طریق زہد پر چلتے ہیں وہ محنت کرتے ہیں، مجاہدے کرتے ہیں، نوافل پڑھتے ہیں، تلاوتیں کرتے ہیں، کثرت کے ساتھ عبادت کرتے ہیں، ہر وقت طاعت کرتے ہیں، گویا اس میں ایک عمر دراز صرف ہوجاتی ہے لیکن صفائی پھر بھی یقینی نہیں ہوتی بلکہ کچھ ہوجاتی ہے اس کے برعکس طریق عشق والے کیا کرتے ہیں تیل چھڑکتے ہیں اور آگ لگا دیتے ہیں۔ ساری کی ساری جھاڑیاں دفعتاً ایک شعلہ کی لپیٹ میں آتی ہیں اور پھر اسکے بعد کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ فقط محبوب کا نام باقی رہ جاتا ہے محبوب کی محبت اور اس کے تعلق کے علاوہ سب کچھ جل کر راکھ ہوجاتا ہے۔ اسی لیے عشق کی تعریف ان الفاظ میں کی جاتی ہے:

''العشق نار یحرق ماسوی المحبوب''

عشق وہ آگ ہے جو سوائے محبوب کے سب کچھ جلا دیتی ہے۔

یہی وہ طریقہ ہے جسے ہم اپنانا چاہتے ہیں ہم جتنی بھی محنت اور کوشش کر رہے ہیں اس کا لب لباب اور ماحصل یہی ہے کہ ہمارے دل میں حضور ﷺ کے تعلق کے علاوہ جو کچھ بھی ہے جل جائے صرف آپ ﷺ سے تعلق غلامی باقی رہ جائے۔ تمام نسبتیں کٹ جائیں صرف حضور ﷺ کی نسبت باقی رہ جائے۔ تمام رغبتیں ختم ہوجائیں صرف ایک ہی ان کی رغبت باقی رہ جائے۔

آج کا دور جس فتنہ و فساد کا شکار ہے اور سوچیں جس انداز سے مرجھا گئی ہیں، ایمان کے پودے جس طرح کملا گئے ہیں اور دلوں کی زمینیں جس طرح گندگی کے ساتھ بھر چکی ہیں،

احوال جتنے بگڑ چکے ہیں، روحانی کیفیات جس بری طرح سے متاثر ہوچکی ہیں ان تمام امراض کا علاج صرف اورصرف آج کے دور میں طریق عشق سے ممکن ہےاس کے سوا کوئی اور طریقہ اتنا مجرب اور موثر نہیں ہوسکتا۔

مگر اسکے ساتھ ساتھ ہم دوسرے طریق کو بھی نہیں چھوڑنا چاہتے۔ نوافل تہجد،طہارت، وضو، ذکر،تسبیح اللہ کی عبادت واطاعت کی بھی تلقین کرتے ہیں۔اعمال صالحہ اور معاملات کو درست کرنے پر بھی زور دیتے ہیں مگر ہم بھروسہ ان کوششوں پرنہیں کرتے ہم تکیہ عشق پر کرنا چاہتے ہیں چونکہ ہم دونوں راستوں پر عمل کرنا چاہتے ہیں اس لیے ہمارا عمل دونوں جہتوں سے وابستہ ہے۔

صحابہ کرامؓ کا طرزعمل

آیئے ذرا غور کریں کہ صحابہ رضوان اللہ اجمعین کی مبارک زندگیوں اوران کے طرز ہائے عمل میں کونسا پہلو غالب اور نمایاں نظر آتا ہے۔طریق زہد یا طریق عشق؟ اس نکتہ کو ہم قرآن حکیم اورحدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

حضرت امام مبارکؒ کا ایک قول بعض جگہوں پر ملتا ہے جس میں انہوں نے یہ فرمایا کہ اس امت کے آخری دور میں اصلاح احوال اسی طریقہ پر ممکن ہوگی جس طریقہ پر پہلے دور میں ہوئی۔آج ہم اگر اپنے احوال کو بدلنا چاہیں تو سارے طریقے بابرکت ہیں مگر جب احوال بہت زیادہ بگڑ جائیں قدریں مٹ جائیں تواسی طریقہ سے احیاء کی ضمانت ہے جوطریقہ مصطفوی ﷺ ہے اور جس پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے عمل کیا۔صحابہ کرام کے حوالے سے مشہور آیہ کریمہ ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا	محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں سخت (اور زور آور) ہیں (لیکن) آپس میں رحم دل (ایک دوسرے کے

سِيْمَاهُم فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُود۔

(الفتح، ۴۸:۲۹)

ساتھ اخلاص اور محبت سے پیش آتے ہیں انکی حالت یہ ہے کہ ان کا غصہ ان کی محبت سب اللہ کے لئے ہے۔ اے دیکھنے والے) تو (بھی) دیکھتا ہے کہ وہ (کبھی) رکوع (کبھی) سجود میں (غرض ہر طرح) اللہ سے اس کے فضل اور اس کی رضا مندی کے طلبگار ہیں ان کی علامت (ان کے پرنور، پررونق نشان سجدہ سے) ان کے چہروں پر نمایاں ہے جو سجدوں کا اثر ہے (ان کے چہروں پر عبادت کے آثار، پیشانی پر سجدہ کے نشان، ولایت کا بار انکی جبیں پر ہے یہ تو الگ پہچانے جاتے ہیں۔

صحابہ کرام کے اوصاف کی قرآنی ترتیب

آیئے ہم اس آیہ کریمہ پر ایک نئی جہت سے غور کرتے ہیں۔

فرمایا: محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آیہ کریمہ کا یہ حصہ بتا رہا ہے کہ اے اہل ایمان تمہارا مرکز حضور ﷺ کی ذات پاک ہے اس کے بعد فرمایا:

وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں یعنی وہ پروانے جو اس شمع محبت کے اردگرد گھومتے ہیں، وہ خوش نصیب جو محبوب کے ڈیرے کے آس پاس رہتے ہیں، جو محبوب کی جھوک میں رہتے ہیں، جن کا تعلق مرکز ایمان سے ہے، جن کی غلامی پختہ اور جن کا تعلق مضبوط ہے، یہاں انکی صفات کی چار جہتیں بیان ہوئی ہیں:

(ا) اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ — یعنی کافروں کے مقابلے میں سخت رویہ رکھتے ہیں۔

(ب) رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ — باہم بہت نرم واقع ہوئے ہیں۔

(ج) تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا — آپ دیکھتے ہیں کہ ہر وقت سجدہ ریزیاں کرتے ہیں، رکوع کرتے ہیں۔

(د) يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِنَ اللهِ وَرِضْوَانًا. (عبادت گزاریوں میں) اللہ کی رضا کے طالب رہتے ہیں۔

ذرا ان چار باتوں کی ترتیب پر غور فرمائیں۔

عام حالات میں جب اللہ کے بندوں کی شان بیان کی جائے تو پہلے اعمال صالحہ اور عبادت واطاعت کا تذکرہ ہوتا ہے۔عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا کی بات ہونی چاہیے پہلے تسبیح وتہلیل اور رکوع وسجود کا تذکرہ ہو۔طریق عقل اور طریق زہد یہی ہے کہ پہلے اللہ کی رضا اور اخلاص للّٰہیت میسر ہو اس کے بعد دوسری صفات کا ذکر ہے کہ آپس میں رحیم وشفیق ہیں اور پھر کہیں جا کر کفار کے ساتھ ان کی سختی کا بیان ہے۔مگر یہاں اوصاف کی ترتیب ہی کچھ اور ہے اور پہلے لڑنے اور مرنے مارنے والی بات ہے اور آخر میں کہیں جا کر عبادت وریاضت کا بیان ہوا ہے اسکی بھلا وجہ کیا ہے؟ یہی طریق دراصل طریق عشق ہے۔طریق عشق پر عمل کرنے والا عبادت واطاعت کے معاملہ کو بعد میں لیتا ہے۔پہلے وہ محبوب کے دشمن کا سر قلم کرتا ہے بعد میں کوئی دوسرا کام۔طریق عشق میں یہ کام ہر شے سے مقدم ہے حالانکہ یہ جان جوکھوں کا کام ہے۔نوافل ادا کرنا، نماز پڑھنا، تسبیح پڑھ لینا اور اللہ کی رضا کا طالب ہوجانا بہت آسان ہے

مگر جان قربان کرنا بہت مشکل ہے۔ نفل تو ہر کوئی پڑھ لیتا ہے، مگر سر کوئی کوئی کٹواتا ہے نمازیں پڑھنے والے، ریاضتیں کرنے والے سر تو یزید کی فوج میں بھی بہت تھے مگر نیزے پر سر کٹانا صرف حسین علیہ السلام کا کام ہے، یہی عشق کی پہچان ہے۔ عشق میں آغاز ہی سر دھڑ کی بازی سے ہوتا ہے۔ عشق میں آغاز سے ہی سر بکف ہونا پڑتا ہے، جو انسان طریق عشق پر گامزن ہوتا ہے اس کا پہلا فیصلہ ہی یہی ہوتا ہے کہ اگر محبوب جان بھی مانگے گا تو نچھاور کر دیں گے۔

شدت علی الکفار میں چونکہ جنگ اور ٹکراؤ ہے اس میں جان کی بازی کا مسئلہ ہے اس لیے فرمایا کہ جو لوگ مرکز رسالت سے اپنی معیت کی نسبت کو پختہ کرنا چاہیں وہ پہلے عشق پیدا کریں اور اسکی پہچان یہ ہے کہ پہلے محبوب پر کٹ مرنا سیکھیں۔ جو مرکز رسالت سے اپنے تعلق کو بحال کرنا چاہے اور عشق کی سواری پر سوار ہونا چاہے تو پہلے اسے یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ آیا وہ سر کٹانے کے لیے تیار ہے یا نہیں۔ قرآن حکیم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے کردار کا پہلا وصف اسی لیے یہ بیان کیا ہے کہ وہ ہر وقت محبوب کی خاطر سر پر کفن باندھے ہوئے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنھم کے ہزاروں واقعات اس امر پر گواہ ہیں۔

ایک صحابیؓ کی شادی ہوتی ہے۔ پہلا دن ہے، خوبصورت اور جوان بیوی شب عروسی کی منتظر ہے، ادھر محبوب ﷺ جہاد کا اعلان کر دیتے ہیں، شب عروسی کو چھوڑ کر وہ صحابی سر کٹانے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ (مستدرک للحاکم، ۳:۲۰۴) یہ عاشقوں کا طریق ہے۔ طریق زہد کے مطابق تو سوچا جا سکتا ہے کہ بیوی کے حقوق بھی شریعت میں مسلم ہیں لہذا ان حقوق کو پہلے پورا کر لینا چاہیے۔ مگر عاشق یہ نہیں سوچتے ان کے نزدیک سب سے بڑا حق محبوب کے لیے سر کٹانا ہے۔ الغرض یہ آیہ مبارکہ حضور ﷺ سے تعلق قائم کرنے اور پھر اس کو پختہ کرنے کا سبق اور منہاج بتا رہی ہے یہ چار نکاتی منہاج ہے۔ نفل، تسبیح اور مجاہدات اس وقت کام کرتے ہیں جب تعلق قائم ہو اس لیے پہلے تعلق قائم کرنے کی ضرورت ہے تعلق صرف طریق عشق سے ہی قائم ہوتا ہے۔ طریق عشق کی پہچان اور اس کی پہلی علامت یہ ہے کہ اپنا جینا اور مرنا محبوب کے لیے ہو جائے دنیا

کی کوئی چیز محبوب سے زیادہ عزیز نہ رہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا عمل اس پر شاہد ہے۔
ایک مسلمان پر جہاد اللہ کی طرف سے فرض ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ تو حضور ﷺ کے لیے لڑتے رہے ہیں۔ جنگ احد کے موقع پر جب آپ ﷺ کی شہادت کی خبر صحابہ کے کانوں تک پہنچی تو تلواریں ہاتھوں سے گر گئیں اور میدان چھوڑ کر بھاگنے کی تیاریاں کرنے لگے کہ جن کے لیے لڑ رہے تھے وہ تو رہے نہیں اب کس کے لیے لڑنا ہے حالانکہ امر واقع یہ ہے کہ وہ اللہ کے لیے لڑ رہے تھے، مگر جب طریق عشق غالب ہوتا ہے تو سب کچھ محبوب کے لیے ہوتا ہے۔

حضور ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت عمر فاروقؓ تلوار لے کر کھڑے ہو گئے کہ جو شخص کہے گا کہ حضور ﷺ وفات پا گئے ہیں خدا کی قسم! عمر کی تلوار اسے ختم کر دے گی۔ یہ عشق ہی تھا جس کے سبب خلاف واقعہ بات ہو رہی تھی۔ اس پر سیدنا صدیق اکبرؓ اٹھ کر صبر و ضبط کی تلقین کرتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنھم کے سامنے یہ تقریر کرتے ہیں کہ پہلے انبیاء و رسل بھی دنیا سے تشریف لے گئے اور اب حضور ﷺ بھی دنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے بے پناہ عشق کے سبب فوری طور پر ردعمل کیا ہوا؟ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو دوسروں کو صبر و ضبط کی تلقین کا سبق دے رہے تھے ان کی اندرونی کیفیت کا جو عالم تھا اس کا اندازہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا کے اس بیان مبارک سے ہو جاتا ہے۔

آپ فرماتی ہیں کہ ان دنوں جب رات کو آپ عشاء کے بعد اور فجر سے پہلے چند گھڑیوں کے لئے آتے تو حضور ﷺ کی جدائی اور فراق میں جل رہے ہوتے حتیٰ کہ آپ کے سینے سے یوں بو آتی جیسے گوشت کی بوٹیاں ہنڈیا میں ابل رہی ہوں۔ صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ عالم نہ تھا بلکہ تمام صحابہ کے دلوں میں بالکل اسی طرح عشق کی آگ جل رہی تھی۔ یہی آگ طریق عشق کی پہچان ہے ایسے حالات میں جینا صرف محبوب کے لیے ہو جاتا ہے۔ دوستی بھی محض محبوب کے لیے ہوتی ہے محبوب کے چاہنے والوں سے شدید محبت ہوتی ہے اور ان کے لیے ہمہ وقت دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔ مگر محبِّ محبوب کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے والے کی آنکھیں نکالنے کے

www.MinhajBooks.com منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

لیے تیار ہوجاتا ہے، محبوب کے دشمنوں کے لیے دل پتھر اور فولاد کی طرح سخت اور محبوب کو چاہنے والوں کے لیے دل ریشم کی طرح نرم ہوجاتا ہے۔ جس طرح علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہوتو فولاد ہے مومن

یعنی محبوب کے دشمن سامنے ہوں تو محبوب کو شیر کی طرح ہونا چاہیے کہ ہر کوئی ڈر سے کانپنے لگے اور محبوب کے دوست اگر سامنے آجائیں تو خاک کی طرح بچھ جائے اور ریشم و کمخواب کی مانند نرم و ملائم ہوجائے!

صحابہ کرامؓ بلاشبہ طریق زہد پر بھی عمل پیرا تھے مگر انہوں نے کمال طریق عشق سے ہی حاصل کیا۔ **اشداء علی الکفار** اور **رحماء بینھم** پر عمل ہو تب ہی **رکعا سجدا** بھی فائدہ دیتے ہیں جب تعلق محبت ٹوٹ جائے تو عشق کے بغیر محض رکوع و سجود سے نہیں جڑ سکتا۔ رکوع و سجود کی باری تیسرے نمبر پر ہے پہلے دلبر سے دل کا رشتہ جوڑنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ محبوب کے سوا دل سے ہر شے نکالنی پڑتی ہے، جذبات اور احساسات پر عشق کا قبضہ ہوجائے اور زندگی کی ساری جہتیں عشق کے تابع ہوجائیں تو تب ہی رکوع و سجود بھی کام کرتے ہیں وگرنہ نمازیں اور عبادت حضور و سرور کی کیفیات سے عاری ہوجاتی ہیں۔

تیری نماز بے حضور ترا امام بے حضور
ایسی نماز سے گزر ایسے امام سے گزر

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اور تابعین کے معمولات اور طریق عشق

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اسی طریق پر گزرتا تھا ایسی ہزاروں مثالیں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی رگ و جاں میں حضور ﷺ کا عشق کس طرح سمایا ہوا تھا اور وہ کس طرح آپ ﷺ کے ہجر و فراق میں مضطرب اور بے قرار رہتے تھے انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد اور اوڑھنا بچھونا ہی حضور ﷺ کے عشق و محبت کو بنایا ہوا تھا۔

ہجر رسول ﷺ میں خاتون کے اشعار پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا بیمار ہونا

حضرت زید بن اسلمؓ سے حضرت فاروق اعظمؓ کے بارے میں مروی ہے کہ ایک رات آپ عوام کی خدمت کے لیے رات کو نکلے تو آپ نے ایک گھر میں دیکھا چراغ جل رہا ہے اور ایک بوڑھی خاتون اون کاتتے ہوئے یہ اشعار پڑھ رہی ہے:

علی محمد صلاة الابرار صلی علیه الطیبون الاخیار

محمد پر اللہ کے تمام ماننے والوں کی طرف سے سلام ہو اور تمام متقین کیطرف سے بھی۔

قد کنت قواما بکا بالاسحار یالیت شعری والمنایا اطوار

هل تجمعنی وحبیبی الدار

یقیناً آپ راتوں کو اللہ کی یاد میں کثیر قیام اور سحری کے وقت آنسوں بہانے والے تھے۔ بہانے والے تھے۔ ہائے افسوس! اسباب موت متعدد ہیں کاش مجھے یقین ہو جائے کہ روز قیامت مجھے آقا کا قرب نصیب ہو سکے گا۔

(الشفاء،۲:۵۶۹)

یہ اشعار سن کر حضرت فاروق اعظمؓ کو اپنے آقا کی یاد آ گئی جس پر وہ زار و قطار رونے لگے اور دروازے پر دستک دی۔ خاتون نے پوچھا کون ہے؟

آپ نے کہا! عمر بن الخطاب۔ خاتون نے پوچھا رات کے ان لمحوں میں عمر کو کیا کام ہے؟ آپ نے فرمایا! اللہ تجھے جزائے خیر عطا فرمائے دروازہ کھول دے چنانچہ اس نے دروازہ کھولا، آپ اس کے پاس بیٹھ گئے اور کہا کہ یہ جو اشعار تو پڑھ رہی تھی ان کو دوبارہ پڑھو۔ اس نے جب دوبارہ اشعار پڑھے تو آپ کہنے لگے کہ اس مسعود و مبارک اجتماع میں مجھے بھی اپنے ساتھ شامل کرتے ہوئے یہ کہہ:

''ہم دونوں کو آخرت میں حضور ﷺ کا ساتھ نصیب ہو اور اے معاف کرنے والے عمر کو معاف کر دے۔''

اس واقعہ کے بعد کئی روز تک آپ بیمار رہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور شہر محبوب چھوڑنے کا قصد

آقائے دو جہاں حضور ﷺ کے وصال مبارک کے بعد حضرت بلال انتہائی رنجیدہ اور افسردہ رہنے لگے حتی کہ شہر مدینہ چھوڑنے کا ارادہ کر لیا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جب آپ کے ارادے کا علم ہوا تو آپ نے اس ارادے کو ترک کرنے کے لیے فرمایا اور کہا کہ آپ پہلے کی طرح رسول پاک کی مسجد میں اذان دیا کریں۔ جنتیوں کے سردار اور حضور ﷺ کے سچے غلام کا جواب حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے اپنے الفاظ میں سنیئے:

انی لاارید المدینة بدون رسول اللہ ﷺ ولا اتحمل مقام رسول اللہ خالیاً عنه۔

(کرمانی شرح البخاری، ۱۵:۲۰)

اپنے محبوب کریم کے بغیر اب مدینہ میں میرا جی نہیں لگتا اور نہ ہی مجھ میں ان خالی وافسردہ مقامات کو دیکھنے کی قوت ہے جن میں آپ تشریف فرما نہیں ہیں۔

آپ ﷺ کے وصال کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم مغموم رہتے تھے حتی کہ بعض نے مسکرانا ہی ترک کر دیا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے شب و روز کے معمولات اس امر پر گواہ ہیں کہ انہوں نے زندگی کا ایک ایک لمحہ حضور ﷺ کے نام کر رکھا تھا اور آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلنا ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک دن اپنی اونٹنی کو لے کر ایک کھلے صحرا میں گھما رہے تھے کہ ایک شخص وہاں سے گزرا اور اس نے پوچھا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ خالی جگہ پر بلا وجہ اونٹنی کیوں گھما رہے ہو؟ اس پر آپ نے جواب دیا کہ مجھے اس کی وجہ کا کوئی علم نہیں میں نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کو اس جگہ پر اونٹنی گھماتے دیکھا تھا لہذا اسی نقش پا پہ گھوم رہا ہوں۔

(الشفاء، ۲:۵۵۸)

میری زندگی بھی عجیب ہے، میری بندگی بھی عجیب ہے
جہاں مل گیا تیرا نقش پا وہیں میں نے کعبہ بنالیا

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عمل

اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے وضو کر کے اٹھے اور مسکرانے لگے حالانکہ کوئی دوسرا وہاں موجود نہ تھا اکیلے تھے ایک شخص گزرا تو اس نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے؟ آپ کیوں مسکرا رہے ہیں جواب دیا کہ ایک دن میں نے حضور ﷺ کو دیکھا تھا اس جگہ پر وضو کر کے کھڑے تھے اور مسکرا رہے تھے بس اسی یاد میں گم ہوں اور محبوب کی سنت پر عمل کر رہا ہوں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور ﷺ سے جو بے پناہ محبت کی ہے اس کی مثال تاریخ عالم میں کہیں نہیں ملتی آپ کے معمولی اشارہ پر جان گنوانا اور مال لٹانا انکا شیوہ تھا۔

سیدنا صدیق اکبرؓ اور محبت رسول

حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کا جذبہ ایثار دیکھیے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر حضور ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ جہاد کے لیے اپنے اپنے گھروں سے مال واسباب لائیں، تمام صحابہ رضی اللہ عنھم بقدر استعداد مال و دولت لے کر آتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر کا سارا سامان لے آتے ہیں حضور ﷺ پوچھتے ہیں:

مَا اَبقَيتَ لِاَهْلِکَ؟ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہیں؟

جواباً عرض کرتے ہیں:

اَبقَيتُ لَهُمُ اللهَ وَرَسُولَهُ— گھر والوں کے لیے اللہ اور اس کا رسول چھوڑ آیا ہوں۔

۱۔ سنن ابی داوٗد، کتاب الزکاۃ، باب فی الرخصۃ فی ذالک، ۲: ۱۲۹، رقم حدیث: ۱۶۷۸

۲۔ سنن الترمذی، ۵۰۔ کتاب المناقب، ۱۶۔ باب فی مناقب ابی بکر وعمر رضی اللہ عنھما، ۵: ۶۱۵، رقم حدیث: ۳۶۷۵۔

یہ ہے طریق عشق کہ آج محبوب کو مال کی ضرورت ہے تو سب کچھ لٹوا دو اور اگر محبوب نے جہاد کے لیے بلایا تو صحابی نے شب عروسی کو خیر آباد کہا اور میدان جہاد میں آ گئے۔

اسوہ صدیقی اور طریق عشق

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے موقع پر جب اپنے مال اولاد بیوی بچوں کو خیر آباد کہا تو آپ کو معلوم تھا کہ بعد میں آپ کے بیوی بچوں کے ساتھ کیا حشر ہو سکتا ہے مگر عشق کا فیصلہ یہی تھا کہ محبوب کو تنہا نہ چھوڑا جائے اور پھر قدم قدم پر جس جانثاری کا مظاہرہ کیا وہ تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔

راستے میں غار ثور کے مقام پر جب حضور ﷺ کے آرام کا وقت آتا ہے تو پہلے اندر جا کر غار کی صفائی کرتے ہیں اور اس میں جو سوراخ نظر آتے ہیں ان کو اپنی دستار مبارک چاک کر کے ٹکڑوں سے ان سوراخوں کو بند کر دیتے ہیں تاکہ کوئی موذی چیز محبوب ﷺ کے آرام میں خلل اندازی نہ کرے۔ جب ایک سوراخ رہ جاتا ہے تو اس پر پاؤں کا انگوٹھا رکھ لیتے ہیں اور حضور ﷺ آپ کی ران مبارک پر سر رکھ کر سو جاتے ہیں۔ اس لمحہ ایک سانپ جو اندر بند ہے اور سوراخ سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہے اسے راستہ نہیں ملتا۔ بالآخر اس سوراخ میں آ جاتا ہے جس کے سامنے آپ کا انگوٹھا ہے۔ سانپ ڈنگ پر ڈنگ مارتا ہے۔ درد اور کرب سے چہرہ مبارک سرخ ہو جاتا ہے مگر ران کو جنبش تک نہیں دے رہے کہ محبوب کے آرام میں خلل نہ آئے۔ یہ کام صرف عاشق ہی کر سکتا ہے۔

حضرت علیؓ اور ادب رسالت مآب ﷺ

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے بارے میں واقعہ مشہور ہے حضور ﷺ آپ کی گود میں سر انور رکھ کر لیٹے ہوئے ہیں عصر کی نماز قضا ہوتی نظر آ رہی ہے کیونکہ سورج ڈوب رہا ہے آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں چونکہ محبوب آرام فرما رہے ہیں نماز قضا ہوتی ہے تو ہو جائے مگر محبوب کے آرام میں خلل گوارہ نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین میں سے جس کسی کی زندگی کو دیکھا جائے اسی طرح جذبہ عشق سے لبریز اور سرشار نظر آتی ہے ان کی ساری زندگی کا لب لباب اور ماحصل حضور ﷺ کی ذات سے عشق تھا بقول شاعر

عشق اول عشق آخر عشق کل
عشق شاخ و عشق نخل وعشق گل

یہی سبب ہے کہ حضور ﷺ سے صحابہ کی نسبت بہت قوی تھی جو نسبت طریق عشق سے وجود میں آتی ہے وہ قوی ہوتی ہے وہ کبھی نہیں ٹوٹتی۔ اگر عقل کی بنا پر نسبت قائم ہوتو دوسرے دن ٹوٹ جائے کیونکہ عقل کا تقاضا مصلحت اندیشی ہے۔ عشق ہی اندھا دھند تقلید اور اطاعت کے تقاضے پورا کرسکتا ہے۔ عقل کبھی بھی اس سفر میں ساتھ نہیں دے سکتی۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں
عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

اور پھر یہ کہ:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

مطلب یہ کہ عقل تو ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ آگ میں چھلانگ لگاؤں یا نہ لگاؤں مگر عشق نے فوراً چھلانگ لگا دی۔ اس لیے جو نسبت عشق کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے وہ قوی ہوتی ہے۔ مرکز رسالت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نسبت عشق کی بنیاد پر قائم تھی ان کی پوری زندگی طریق عشق پر گزری۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے بعد اولیاء اور فقہا نے اسی طریق کو اپنایا۔ شہداء بھی اسی طریق پر گامزن ہوئے جس کے سبب وہ زندہ و جاوید ہو گئے۔ بقول شاعر

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است

یعنی جو لوگ خنجر تسلیم و رضا سے ذبح ہو جاتے ہیں ہر لحہ ان کو نئی سے نئی زندگی ملتی ہے وہ مرتے ہی نہیں بلکہ ان کی زندگی امر ہو جاتی ہے۔

''جو زخم جگر کو بوسہ دیں وہ لوگ مرادیں پاتے ہیں''

قصہ مختصر

قصہ مختصر یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ سے تعلق غلامی بحال ہو جائے تو زہد و ریاضت اور عبادت کا طریق بھی استعمال کریں مگر یاد رکھیئے آپ ﷺ سے ٹوٹے ہوئے تعلق کو جوڑنے کے اس طریق عشق کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔

ہمارا طریقہ اور ہمارا منہاج یہی ہے کہ حضور ﷺ سے تعلق کو طریق عشق سے بحال کیا جائے اور یہی منہاج القرآن ہے جس میں سردھڑ کی بازی پہلے ہے اور باقی تمام کام بعد کے ہیں۔اس کی عملی صورت یہی ہے کہ کثرت کے ساتھ صلوۃ وسلام کی محفلیں ہوں۔آپ کے حسن و جمال کے تذکرے ہوں۔آپ کی یاد سے تاریک دلوں کو منور کرنے کا اہتمام ہو۔محافل نعت کا بکثرت انعقاد کیا جائے اور یہ کیفیت جاری رہے۔

نعت پڑھتا رہوں نعت سنتا رہوں
آنکھ پرنم رہے دل مچلتا رہے

روحانی کیفیات کو پیدا کرنے کا التزام کیا جائے تاکہ ہم اپنے مردہ دلوں کو بیدار کرسکیں، مرجھائی ہوئی روحوں کو تازہ کرسکیں، خون جگر سے ایمان کے پودے کی آبیاری کرسکیں، دنیا کی چاہتوں سے دل پر جو میل کچیل جمع ہوتی ہے اس کو صاف کرسکیں، دل کی زمین پر دنیوی محبت اور خواہشات نفس کی جو خاردار جھاڑیاں اگی ہوئی ہیں ان پر عشق کا تیل چھڑک کے جلا کر راکھ کرسکیں تاکہ دل میں صرف حضور ﷺ کی محبت رہ جائے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے ختم ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس امر کی توفیق دے کہ ہم طریق عشق کو اپنا طریق حیات بنالیں اور

آ قائے دو جہاں ﷺ کے عشق اور محبت کو اپنے سینوں میں زندہ کرلیں۔ ہمارے دلوں میں صرف اور صرف آپ ﷺ کی محبت رہ جائے اور آپ کی محبت دن بدن مضبوط اور مستحکم ہوتی چلی جائے۔آ مین ثم آ مین!

شادباش اے عشق خوش سو دائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما